تقاریر جلسہ سالانہ ۱۹۲۶ء

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تقاریر جلسہ سالانہ ۱۹۲۶ء

تقریر اول

(فرمودہ مؤرخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۲۶ء)

سورۃ یونس رکوع ۶ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

سب سے پہلے میں اُن دوستوں سے جو اس موقع پر تشریف لائے ہیں اور جن کو الگ ملنے کا موقع نہیں ملا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتا ہوں۔ اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ماتحت کل اِنْشَاءَ اللّٰہُ ایسا مضمون بیان کروں گا جو عام ضروریات سلسلہ کے علاوہ بعض ایسے مسائل پر روشنی ڈالے گا جو سلسلہ کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ اور وہ نہ صرف اس زمانہ کی ضروریات کو بلکہ تمام زمانہ کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے دوستوں کے لئے نہایت مفید و بابرکت ہوگا۔

متفرق اُمور

آج میں چند متفرق امور پر بولنا چاہتا ہوں۔ اور اگر ممکن ہوا اور فرصت مل گئی تو آج ہی وہ مضمون بھی بیان کرنا شروع کر دوں گا۔ لیکن سب سے پہلے ان متفرق امور کو بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ بھی جماعت کے اجتماع کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری ہیں۔

آنے والوں کی کثرت

اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ جتنے بھی ہم پھیلتے ہیں اس سے زیادہ ہی وہ اپنے فضل کو وسیع کر دیتا ہے۔ چونکہ پچھلے سال جلسہ گاہ کافی نہیں معلوم ہوتی تھی اس لئے اس دفعہ پچھلے سال کی نسبت ڈیڑھ ہزار فٹ کی جگہ زیادہ کی گئی تھی مگر باوجود جگہ کے زیادہ کرنے کے پھر بھی آج جگہ خالی نظر نہیں آتی۔ کل تک بعض دوستوں کی رائے تھی کہ شاید اس دفعہ پہلے کی نسبت کم لوگ آئے ہیں۔ یہ بات ہمارے لئے

تعجب انگیز تھی اس لئے ہم نے اس تحقیقات کی ضرورت محسوس کی کہ لوگوں کے کم آنے کی کیا وجہ ہے۔ کل صبح کی نماز کے وقت تک منتظمین کی رائے تھی کہ گیارہ سو آدمی کم آیا ہے۔ جو واقع میں فکر کی بات تھی کیونکہ یہ کمی خلاف معمول تھی جبکہ ہر سال پہلے سے زیادہ لوگ آتے تھے۔

ایک کشف

آج جب صبح کی نماز پڑھ کر میں نے سلام پھیرا تو معاً دائیں طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔ اس پر میں نے سمجھا کہ ہمارا اندازہ غلط ہے اس دفعہ بھی لوگ ہمارے اندازہ سے زیادہ ہی آئیں گے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں اور پھر لوگ کم آئیں۔ بادشاہ کے آنے پر تو لوگ زیادہ آیا کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جلسہ گاہ شہادت دے رہا ہے اس بات کی کہ باوجود جلسہ گاہ کے پہلے کی نسبت زیادہ وسیع ہونے کے اب زیادہ آدمیوں کی گنجائش نہیں۔ اور یہ ہمارے لئے نشان ہے کیونکہ دوسری مجالس میں دنیوی فوائد ہیں اور یہاں دنیوی نقصان ہیں۔ ان مجالس میں لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور یہاں آنے پر دوسرے لوگ ناراض ہوتے ہیں۔ ہمارا معاملہ دوسرے لوگوں سے بالکل الگ ہے۔

یادِ رفتگان

قبل اس کے کہ میں اصل تقریر کو شروع کروں۔ میں ان دوستوں کے لئے اپنے جذبات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں جو اس سال ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور جو سِلسلہ کے لئے عمود تھے۔ جدائی ایک تلخ چیز ہے لیکن خدا کا قانون بھی ہے اس لئے ہمیں وہ تلخ گھونٹ پینا ہی پڑتا ہے۔ بیشک بسا اوقات جدائی رحمت کا موجب ہو جاتی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے قانون کا شکوہ نہیں کرتے لیکن یہ بھی اسی کا قانون ہے کہ مفید وجود کے اُٹھ جانے سے ہر دِل غم محسوس کرتا ہے۔

اس دفعہ ہمارے سِلسِلہ میں سے چند دوست ہم سے جدا ہو گئے جن کے ساتھ بعض خصوصیات وابستہ تھیں۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے زمانہ میں قبول کیا جبکہ چاروں طرف مخالفت زوروں پر تھی اور پھر طالب علمی کے زمانہ میں قبول کیا اور مولویوں کے گھرانہ میں قبول کیا۔ آپ کا ایسے خاندان کے ساتھ تعلق تھا کہ جس کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ حضرت مسیح موعود سے دنیا کو روکیں۔ اور اس وقت ساری دنیا آپ کی مخالفت پر تُلی ہوئی تھی۔ پس ان کا ایسے حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کرنا ان کی بہت بڑی سعادت پر دلالت کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پر مخالفت کا

زمانہ ہی نہیں آیا۔ جب انہوں نے ایک دوست سے حضرت مسیح موعود کا دعویٰ سنا تو آپ نے سنتے ہی فرمایا کہ اتنے بڑے دعویٰ کا شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا اور آپ نے بہت جلد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کرلی۔ حضرت صاحب نے ان کا نام اپنے بارہ حواریوں میں لکھا ہے۔ اور ان کی مالی قربانیاں اس حد تک بڑھی ہوئی تھیں کہ حضرت صاحب نے ان کو تحریری سند دی کہ آپ نے سلسلہ کے لئے اس قدر مالی قربانی کی ہے کہ آئندہ آپ کو قربانی کی ضرورت نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ زمانہ مجھے یاد ہے جبکہ آپ پر مقدمہ گورداسپور میں ہو رہا تھا اور اس میں روپیہ کی ضرورت تھی۔ حضرت صاحب نے دوستوں میں تحریک بھیجی کہ چونکہ اخراجات بڑھ رہے ہیں۔ لنگر خانہ دو جگہ پر ہو گیا ہے ایک قادیان میں اور ایک یہاں گورداسپور میں۔ اس کے علاوہ اور مقدمہ پر خرچ ہو رہا ہے لہٰذا دوست امداد کی طرف توجہ کریں۔ جب حضرت صاحب کی تحریک ڈاکٹر صاحب کو پہنچی تو اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دن ان کو تنخواہ قریباً ۴۵۰ روپے ملی تھی وہ ساری کی ساری تنخواہ اسی وقت حضرت صاحب کی خدمت میں بھیج دی۔ ایک دوست نے سوال کیا کہ آپ کچھ گھر کی ضروریات کے لئے رکھ لیتے تو انہوں نے کہا کہ خدا کا مسیح لکھتا ہے کہ دین کے لئے ضرورت ہے تو پھر اور کس کے لئے رکھ سکتا ہوں۔ غرض ڈاکٹر صاحب تو دین کے لئے قربانیوں میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ حضرت صاحب کو انہیں روکنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اُنہیں کہنا پڑا کہ اب آپ کو قربانی کی ضرورت نہیں۔

ایک دفعہ میری صحت کمزور ہو گئی تو میں گورداسپور چلا گیا۔ حضرت صاحب کو خیال آیا کہ شاید بیوی کے آنے پر میری صحت ٹھیک ہو جائے تو آپ نے ڈاکٹر صاحب کو لاہور لکھ بھیجا کہ محمود احمد کی صحت اچھی نہیں اس لئے آپ اپنی لڑکی یہاں بھیج دیں۔ ڈاکٹر صاحب میڈیکل کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور پرنسپل آپ سے کچھ شاکی رہتا تھا۔ اُن کو خیال تھا کہ پرنسپل چھٹی تو دیگا نہیں اس لئے میں استعفیٰ دے دوں گا۔ اس خیال سے آپ استعفیٰ دینا چاہتے تھے کہ آپ کو دوست نے اس سے روکا اور کہا کہ چھٹی کیوں نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا حضرت صاحب نے مجھے یہ لکھا ہے اب میں کسی طرح رُک نہیں سکتا اور میں جلدی قادیان پہنچنا چاہتا ہوں۔ اگر پرنسپل نے چھٹی دیدی تو خیر ورنہ اسی وقت استعفیٰ دیدوں گا تا میرے جانے میں دیر نہ لگے۔

پھر قادیان کی رہائش باوجود مشکلات کے اختیار کی۔ میں نے اس خیال سے قادیان کی رہائش سے اُن کو روکا تھا کہ وہ یہاں گزارہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے تکلیف سے ہی گزارہ کیا

لیکن قادیان کی رہائش نہ چھوڑی۔

دوسرے دوست چوہدری نصراللہ خان صاحب تھے جو گو اتنے پرانے احمدی نہ تھے لیکن سِلسِلہ کی خدمات میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ مَیں نے جب ایک دفعہ اعلان کیا کہ سِلسِلہ کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دین کی خدمت کے لئے اپنے اوقات کو وقف کریں تو اس پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے چوہدری نصراللہ خان صاحب ہی تھے۔ جو اَدب اور احترام ان میں تھا وہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ کامیاب وکیل تھے، صاحب جائیداد تھے، زمین کافی تھی اس لئے یہاں آزادی سے گزارہ کرتے تھے۔ مگر ان کی فرمانبرداری کو دیکھا ہے کہ گزارہ لینے والوں میں بھی وہ فرمانبرداری نہیں نظر آتی۔

ایک دفعہ ان کے بیٹے چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے انہیں جلسہ کے موقع پر کسی دوست کے ہاں اپنے ساتھ ٹھہرنے کے لئے کہا تو چوہدری صاحب نے کہا میں تو یہیں عام لوگوں میں ٹھہروں گا دَال روٹی کھاؤں گا زمین پر سوؤں گا۔ پہلے لوگوں نے پلاؤ کھا کھا کر ایمان خراب کر لیا۔ مَیں اپنا ایمان خراب نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ وہ عوام میں ہی ٹھہرے۔ ان میں بہت ہی اخلاص تھا۔ ایک دفعہ کوئی معاملہ میرے پاس لائے۔ اور کہا۔ یہ بات یوں ہونی چاہئے۔ میں نے کہا۔ یوں نہیں ہونی چاہئے۔ دوسرے دوستوں نے اس پر رائے زنی کر کے کہا کہ اسے پھر دوبارہ پیش کرو تو کہا میں تو یہاں ایمان لینے آیا ہوں ایمان ضائع کرنے نہیں آیا۔ جب ایک دفعہ پیش کرنے سے حضرت صاحب نے فرما دیا ہے کہ یہ بات یوں نہیں ہونی چاہئے تو پھر میرا تمہارا کیا حق ہے اس کے خلاف بولنے کا۔ باوجود کامیاب وکیل اور صاحب جائیداد ہونے کے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آ گئے اور سِلسِلہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

تو ایک پرانا خادم سِلسِلہ ہم سے اُٹھ گیا۔ آئندہ نسلوں کی یاد کے لئے اور انہیں بتانے کے لئے کہ ہم میں ایسے مخلص موجود ہیں یہ چند کلمات کہے ہیں تا دوسروں کو بھی تحریک ہو اور کام کر کے دکھائیں۔ دینی خدمات میں ان کی طرح حصہ لیں۔

سوامی شردھانند کا قتل

اب میں ایک تازہ واقعہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ جو دہلی میں ہوا ہے اور وہ شردھانند صاحب کا قتل ہے۔ شردھانند صاحب آریوں کے لیڈر تھے اور پہلے منشی رام کے نام سے مشہور تھے کامیاب پلیڈر تھے۔ ان کی اس حد تک تعریف کرنی چاہئے کہ باوجود اس کے کہ ان کا مذہب جھوٹا تھا پھر بھی اس کی

اشاعت میں اپنی عمر کو لگا دیا جس کو غالباً وہ سچا سمجھتے تھے۔ ان کا قتل کرنے والا مسلمان ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مَیں نے انہیں اس لئے قتل کیا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف تبلیغ کرتے تھے اور میرا مذہب یہ سکھاتا ہے کہ غازی سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ بقول خود کابل سے ایک پستول لایا تھا کہ اس کے ذریعہ ایک کافر کو قتل کر کے خدا کے حضور ثواب حاصل کرے۔

یہ واقعہ کئی لحاظ سے اہم ہے۔ ایک تو شردھانند صاحب آریوں اور پولیٹیکل جماعتوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے دوسرے وہ ایک ہی ہندو تھے جن کو مسجد میں ممبر پر چڑھا کر جہاں خدا کا کلام پڑھا جاتا اور سنایا جاتا ہے مسلمانوں نے ان سے تقریر کرائی۔ اور جس کو اس لئے مسجد میں منبر پر کھڑا کیا گیا کہ اس کے ذریعہ سے ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہو۔ پانچ سال بعد اسی قوم کا فرد اسے قتل کرتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس قتل کے نتیجہ میں وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔ تو اس لحاظ سے بھی یہ واقعہ اہمیت رکھتا ہے کہ یہ ایک مذہبی فعل ہے۔ کسی فساد یا جھگڑے کی بناء پر نہیں بلکہ اس بناء پر کیا گیا ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے۔

تیسرے اس لحاظ سے یہ واقعہ اپنے اندر اہمیت رکھتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق ہے۔ آریہ سماج کے لیڈر کے قتل کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی آج سے ۳۴ سال پہلے شائع کی گئی۔ آپ نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا ہے جس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا ہے۔ پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے۔ اور ایک اور شخص ہے جس کے متعلق وہ پوچھتا ہے۔ اس کا نام آپ کو یاد نہ رہا۔ تو دو شخصوں کے قتل کی پیشگوئی تھی۔ ان میں سے ایک لیکھرام صاحب تھے اور دوسرے کا نام آپ کو اس وقت یاد نہ تھا۔[1] عجیب حکمت ہے کہ پہلے شردھانند صاحب کا نام منشی رام تھا اور مارے جانے کے وقت ان کا نام شردھانند تھا۔ اسی وجہ سے حضرت صاحب کو ان کا نام یاد نہ رہا۔ پھر وہ لیکھرام کے بھی قائم مقام ہیں۔ چنانچہ تیج نے لکھا ہے کہ جب لیکھرام کے قتل کی خبر جالندھر پہنچی تو سوامی شردھانند صاحب اپنا کام چھوڑ کر لاہور آگئے اور سوامی لیکھرام صاحب کا کام انہوں نے سنبھال لیا۔

بہرحال آریوں میں سے بڑے پایہ کے لیڈر تھے۔ بہت سی باتیں ان کے قتل کی لیکھرام صاحب کے قتل سے ملتی ہیں۔ لیکھرام صاحب ہفتہ کے دن جمعہ و عید سے اگلے روز مارے گئے اور یہ جمعرات کو مارے گئے۔ جو جمعہ کے ساتھ کا دن ہے۔ وہاں بھی قاتل کمبل پوش تھا اور یہاں بھی کمبل پوش ہی ہے۔ وہاں بھی قاتل کو پہلے روکا گیا لیکن اس کو اندر جانے کی اجازت دی گئی اور

یہاں بھی اسی طرح ہوا۔ گو یہ پیشگوئی کے مطابق ہوا لیکن یہ صحیح نہیں کہ جو بات پیشگوئی کے مطابق ہو وہ ضرور اچھی ہوتی ہے۔ مثلاً یہ پیشگوئی کہ نبی کی مخالفت ہوگی۔ اس پر استہزاء کیا جائے گا۔ لیکن باوجود اس کے اس کی مخالفت اور استہزاء اچھی بات نہیں۔ پھر یہ بھی پیشگوئی ہوتی ہے کہ فلاں شخص دین کی راہ میں مارا جائے گا۔ اور ایک شخص کے ناحق مارے جانے کی خبر دی جاتی ہے۔

بہرحال اس فعل کے اندر بعض بھیانک باتیں ہیں جن کے باعث ہم اظہار نفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ ایسا ظالمانہ اور ناپاک خیال ہے (کسی کو محض کافر ہونے کی وجہ سے قتل کرنا) کہ اس سے بڑھ کر ناپاک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ شخص نہ صرف خود بڑا فعل کرتا ہے بلکہ مذہب کو بھی بدنام کرتا ہے۔ جو قوم اس لئے مارتی ہے کہ اُس کے مذہب پر لوگ حملہ کرتے ہیں وہ گویا ثابت کرتی ہے کہ اس کا مذہب تلوار کا محتاج ہے اس میں خوبی نہیں۔ وہ اپنی خوبی کے زور سے نہیں پھیل سکتا بلکہ تلوار کے زور سے پھیلتا ہے۔ اور ایسا مذہب تو خود اس لائق ہے کہ اسے دنیا سے مٹا دیا جائے۔ لیکن اسلام کی اشاعت تلوار سے نہیں ہوئی ہے۔ جو شخص اسلام کے لئے تلوار اٹھاتا ہے وہ اسلام کا دشمن ہے۔ اس لئے ہم اس فعل کی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے نہایت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس نے قوم اور ملک کے امن کو برباد کر دیا ہے اور دین اسلام کو بدنام کر دیا ہے۔

ہماری قوم نے بیڑا اٹھایا ہے کہ محبت کے ذریعہ حق کو پھیلایا جائے گا۔ نرمی کے ذریعہ حق کو قائم کیا جائے گا اس لئے ہمیں سب سے زیادہ اس فعل پر اظہار نفرت کرنا چاہئے۔ ہماری قوم ہی ہے کہ جس نے پانچ آدمی محض اس لئے دے دیئے ہیں کہ مذہب کے نام پر دنیا کے امن کو برباد نہ کیا جائے۔ ہمارے پانچ آدمی [1] صرف اس لئے سنگسار کئے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ مذہب کے لئے جہاد جائز نہیں۔ آج صرف ہم ہی یہ دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے عزیز دوستوں نے محض اسی غرض سے تکلیف کے ساتھ جان دے دی کہ مذہب کو امن سے پھیلایا جائے۔

کابل کی سرزمین گواہ ہے۔ ہمارے عزیز دوستوں کی لاشیں نہیں کابل کے پتھر اور ہزاروں پتھر گواہی دے رہے ہیں کہ ہم مذہب کے معاملہ میں زبردستی اور ظلم کو جائز نہیں سمجھتے۔

اس واقعہ میں بھی ہم کہتے ہیں کہ قاتل اس فعل کا ذمہ دار نہیں۔ وہ مجبور ہے، وہ معذور ہے، اسے اس قتل پر مجبور کیا گیا کیونکہ قتل جیسے فعل کو انسانی فطرت قبول نہیں کرتی بلکہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ انسان اس قسم کے فعل کا مرتکب نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجبور نہ

ہو۔ اسے کوئی اور طاقت مجبور نہ کرے۔ اس شخص کو مجبور کرنے والی وہ زبردست طاقت تھی کہ جس کا انسان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور وہ عقیدہ کی طاقت ہے۔ یہ ایسی زبردست طاقت ہے کہ انسان آگ میں کود سکتا ہے۔ سمندر میں پڑ سکتا ہے۔ پہاڑ سے ٹکرا سکتا ہے۔ لیکن اس طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اس عقیدہ کے قائم کرنے والے علماء اور مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔ پس شردھانند کے قاتل، خلافت کمیٹیوں اور دیوبندی علماء اور زمیندار کے مضامین ہیں کہ کافروں کا قتل جائز ہے۔ وہ آرام کرسیوں پر بیٹھ کر اس قسم کے مضامین لکھنے والے کہ اسلام کے لئے قتل ضروری ہے اس کے قاتل ہیں۔

آج کس طرح ہندوستان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک شور اٹھا ہوا ہے کہ اس خون میں سختی سے کام لیا گیا۔ مگر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ فعل ایسا ہی بُرا ہے کہ جس پر آج تم اسقدر اظہار نفرت کی آواز اُٹھا رہے ہو تو اس وقت تم نے کیوں نہ آواز اٹھائی جبکہ ہمارے آدمی محض اس لئے مارے گئے کہ وہ خدا کے دین پر قائم تھے اور تم سے بڑھ کر وہ اسلام پر قائم تھے۔ اور آج تم ایک آریہ لیڈر کے قتل کو ظالمانہ فعل قرار دیتے ہوئے نفرت کی آواز بلند کرتے ہو یہ بتاتا ہے کہ تمہاری طرز منافقانہ طرز ہے۔ پس اگر واقعہ میں یہ فعل ظالمانہ فعل ہے اور اس قابل ہے کہ اس پر اظہار نفرت کیا جائے۔ اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے تو کابل کی سرزمین میں تمہاری آواز کیوں نہ اُٹھی۔ اگر اس وقت تم نے مبارکبادی کی تاریں دی تھیں تو آج تمہیں کس طرح لوگ سچا سمجھ سکتے ہیں۔ آج تم محض ہندوؤں کے ڈر سے جھوٹ بولتے ہو۔ در حقیقت تمہارے دل اس فعل پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ میں نے اُس وقت تم سے اپیل پر اپیل کی تھی کہ دیکھو اگر اس وقت تم اظہار نفرت نہ کرو گے تو دنیا سے امن اٹھ جائے گا۔ انسانی زندگی جو ذی حرمت چیز ہے خطرہ میں پڑ جائے گی لیکن تم نے بجائے اظہار نفرت کرنے کے خوشی کا اظہار کیا اور اسلام کی تعلیم کے مطابق ثابت کرنا چاہا۔ جس کا آج یہ نتیجہ دیکھ رہے ہو۔ ہم نے تو اپنی عزیز جانیں صرف اِس لئے دی تھیں کہ آئندہ دنیا میں امن قائم ہو لیکن انہوں نے سمجھا کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لئے کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ہماری جانیں تو اسی کے لئے ہیں اور ہم اس کی راہ میں موت سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتے۔ اس سے بہتر کونسی موت ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے رستہ میں اور اس کے دین کی راہ میں آئے۔ ہم نے اس بات کو اپنی جانیں دے کر دکھا بھی دیا۔ لیکن ہمیں تو یہی نظارہ نظر آ رہا تھا کہ آج جو ہمارے قتل کے فتوے دے رہے ہیں اور ہمارے قتل ہونے پر خوشیاں مناتے

ہیں جب کہ ہم اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ تو کل دوسروں کو تو ضرور ہی قتل کر کے اسلام کو بدنام کریں گے۔ اور اس پر سوائے سید رضا علی اور محمد علی صاحب کے باقی سب نے نہ صرف خود ہمارے خلاف آواز اُٹھائی بلکہ ہمارے موافق آواز اُٹھانے والوں کو بھی روکا بلکہ خوشی اور مبارکبادی کی تاریں دیں۔

اُنہوں نے کہا کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیز کا مار دینا ہی اچھا فعل ہے۔ خدا نے کہا۔ آؤ۔ ہم تمہارے ہی ہاتھوں اچھا فعل کرا کے تمہارے ہی منہ سے اِقرار کرائیں گے کہ یہ بُرا فعل ہے اور تمہیں جھوٹا اور منافق ثابت کریں گے۔ ایک لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے والے مسلمان پر پتھر برسائے جاتے ہیں۔ ایک ایک قطرہ خون کا بہا کر ایک ایک دانت توڑا جاتا ہے۔ ایک ایک ہڈی توڑی جاتی ہے۔ یہ موذی محمد رسول اللہ کی گدی پر بیٹھنے کا دعویٰ کرنے والے مبارکبادی کی تاریں دیتے ہیں۔ آج ان کی شرافت اور دعویٰ اسلام کہاں سے آگیا اور اُس وقت کہاں چلا گیا تھا۔ اُس وقت ایک مسلمان ایک لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کہنے والے کے قتل پر تو درد پیدا نہ ہوا آج ایک ہندو لیڈر پر درد پیدا ہو رہا ہے۔ یہ منافقانہ درد ہے۔ وہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے مرتد کے لئے وہ فتویٰ دیا تھا کیونکہ وہ اس سے مدت پہلے ہر کافر کے قتل کا فتویٰ دے چکے تھے۔ پس آج اگر کوئی شردھانند کا قاتل ہے تو وہ عبدالرشید نہیں بلکہ وہ مولوی اور لیڈر ہیں جنہوں نے قتل کے فتوے دیئے اور اگر کوئی قابل سزا ہے تو عبدالرشید نہیں بلکہ وہ مولوی ہی ہیں جنہوں نے اِنسان کی جان کو بیدردی سے تلف کرنے کے فتوے دیئے۔

اِبن سعود کی حکومت اور اس کے متعلق ہمارا رویہ

اس کے بعد میں ایک سیاسی مسئلہ پر کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ عرب اور حجاز میں جو اختلاف ہے اس کے متعلق ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ اس اختلاف کے باعث نہایت افسوس ناک اور عبرتناک فسادات ہوئے ہیں اس لئے اس مسئلہ کے متعلق جتنا بھی مسلمان فکر کریں اتنا ہی تھوڑا ہے۔ یہ معاملہ عجیب عجیب رنگ اختیار کر رہا ہے۔ پہلے جب عرب ترکوں سے علیحدہ ہوئے تو ہندوستان کے مسلمان عربوں کے خلاف ہو گئے اور اِبن سعود کے ساتھ تھے اور اس کی تائید میں تھے۔ جب اِبن سعود بادشاہ بنا تو اس کے خلاف ہو گئے۔ صحیح واقعات سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ عربوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت نہیں کی تھی بلکہ اسلام کی حفاظت کے لئے وہ اثنائے جنگ میں ترکوں سے علیحدہ ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ

جب حجازیوں کو معلوم ہوا کہ اِٹلی کی حکومت مکّہ و مدینہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اِٹلی والے اس قسم کے لوگ ہیں کہ جب وہ حملہ کرنا چاہیں تو وہ کسی کے روکے رُکا نہیں کرتے اس لئے اُنہوں نے ترکوں کو لکھا کہ اگر آپ حجاز کی حفاظت اور اِٹلی سے مقابلہ کی طاقت رکھتے ہیں تو آپ تیار ہو جائیں ورنہ ہمیں اسلام کی عزت اور لئے علیحدہ کر دیں تاہم خود حفاظت کا بندوبست کر لیں۔ ترکوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس فوجیں نہیں ہیں۔ تو پھر عرب ان سے علیحدہ ہو گئے اور انگریزوں سے مدد لی۔ میرے نزدیک انہوں نے اَرضِ حجاز کی حفاظت کے لئے نہایت دُور اندیشی سے کام لیا۔ مگر ادھر کے مسلمان اس کے مخالف ہو گئے اس وجہ سے کہ وہ انگریزوں سے کیوں مل گئے۔

ہاں انگریزوں کا عربوں سے معاہدہ تھا کہ وہ تمام عرب کو آزاد کر دیں گے۔ اس معاہدہ کی بناء پر جنگ کے ختم ہونے پر آزادی کا مطالبہ کیا۔ مگر جنگ کے ختم ہونے کے بعد خود یورپ کی حکومتوں میں ملکوں کی تقسیم کے متعلق اختلاف تھا اس لئے انگریز آزادی کا فیصلہ نہ کر سکے اور عربوں کو آزادی نہ ملی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریف حسین نے غلطی سے چیلنج دے دیا کہ اگر آزاد نہ کرو گے تو میں خلافت کا دعویٰ کر دوں گا اور تمام مسلمانوں کو تمہارے خلاف کھڑا کر دوں گا۔ انگریز جانتے تھے کہ مسلمان تائید تو کیا کریں گے۔ اس کے خلافت کے دعویٰ کے ساتھ ہی خود اس کے مخالف ہو جائیں گے۔ ادھر شریف حسین ابھی عرب کو انگریزوں کے پنجہ سے نکالنے اور آزاد کرانے کی ہی کوشش کر رہا تھا کہ ابن سعود خلاف کھڑا ہو گیا۔ اب اِبن سعود کی طاقت زیادہ تھی وہ آخر جیت گیا اور لڑائی میں قبے وغیرہ بھی گرائے گئے۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ اب یہ ہمارے سپرد کر دو۔ لیکن سعودی لوگ بھلا کہاں وہ چیز دوسروں کو دے سکتے تھے جس پر ان کی طاقت خرچ ہوئی تھی۔ بھلا شیر کے منہ سے بھی کسی نے شکار چُھڑایا ہے۔ شیر نے اپنے پنجوں سے شکار مارا۔ اب وہ گیدڑوں کے کہنے سے کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے پیچھے پیچھے پھرتے تھے شکار چھوڑ سکتا ہے؟ تمہارے ریزولیوشنوں سے تو اِبن سعود نہیں جیتا ہے۔ تم نے اتنے ریزولیوشن ترکوں کی تائید میں پاس کئے تھے تو کیا اس سے وہ جیت گئے۔ ہمارا رویہ عرب کے مسئلہ میں یہی ہے کہ عرب کی بہتری اور بہبودی اس میں ہے کہ وہاں مستقل حکومت ہو خواہ وہ کوئی ہو۔ عرب کبھی ترقی نہیں کر سکتے جب تک ان میں ایک باقاعدہ اور مستقل حکومت قائم نہ ہو۔ اب چونکہ اِبن سعود ہی حاکم بن چکا ہے اور اس کو طاقت حاصل ہو چکی ہے اس لئے اب اس کی ہی حکومت کا قائم رہنا عربوں کے

لئے بہتر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سعودیوں میں سختی اور وحشت بھی ہے مگر باوجود اس کے وہ علم کے خواہشمند ہیں۔ ان میں علم کا چرچا ہے اس لئے ان کے حکومت پر رہنے سے ملک میں علم کا چرچا ہو جائے گا۔ اور عرب وحشت و جہالت سے بھی آزاد ہو جائے گا۔ دوسرے ان کے پاس سپاہی ہیں جو گھر سے کھا کر لڑنے والے ہیں۔ ملک کے لئے قربانی کرنے والے سپاہی ہیں۔ ایسے لوگوں کی اگر حکومت قائم رہے تو عرب بہت جلدی اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچ سکتا ہے۔ ہاں ایک خوف ہے کہ وہ روضہ رسول اللہ کو نہ کہیں گرا دیں۔ اگرچہ امید تو یہی ہے کہ خود ابن سعود اس کی حفاظت کرے گا۔ مگر اس کے ساتھی شاید اسے حفاظت میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اور اس کی حفاظت کے لئے بہتر طریق یہ ہے کہ ان کو یہ یقین دلایا جائے کہ ہم آپ لوگوں کے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ آپ روضہ کی حفاظت کریں۔ باقی گالیاں دینا فضول بات ہے۔ گالیوں سے وہ ڈر تو نہیں جائے گا۔ ہاں محبت اور نرمی سے اسے سمجھا سکتے ہیں۔

حفاظت و اشاعت اسلام

شردھانند صاحب کے قتل کی نسبت مَیں اور بات کہنا چاہتا ہوں۔ ان کے قتل سے ہماری جماعت پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوئی ہے۔ جن قوموں میں زندگی ہوتی ہے وہ جسم سے زندہ نہیں ہوتیں۔ وہ روح سے زندہ ہوتی ہیں۔ شردھانند کے قتل نے ہندو قوم کی رُوح کو زندہ کر دیا ہے۔ پشاور سے لے کر کلکتہ تک کے تمام ہندو بِلا امتیاز متفق ہو گئے ہیں کہ ہم سارے مل کر شردھانند کے کام کو جاری رکھیں گے۔ اپنی جانیں اور روپیہ شدھی میں خرچ کر ڈالیں گے۔ اس میں تمام وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اس کی موت سے پہلے اس کے مخالف تھے۔ اس کے کام کے مخالف تھے۔ اس کے مارے جانے کے ساتھ ممکن ہے کہ پچاس یا سو سال اور زندگی ہندو قوم کو مل جائے۔ وہ مولوی جن کے فتوؤں اور تحریکوں سے یہ واقعہ ہؤا وہ تو گھر میں خوش ہو رہے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ بڑا اچھا کام ہؤا۔ وہ قاتل کیسا خوش قسمت اور اسلام کا خادم ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کے فتوؤں کی بدولت اسلام کس خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اسلام کے لئے تاریک دن ہمارے سامنے آگیا ہے۔ اس کی مصیبت کا زمانہ پھر شروع ہو گیا ہے اس لئے سارا بوجھ ہماری گردنوں پر آپڑا ہے۔ ہماری تو وہی مثال ہے ؎

غم اپنے دوستوں کا بھی کھانا پڑے ہمیں اغیار کا بھی قضیہ چکانا پڑے ہمیں

اب اسلام پر جو حملہ ہو گا اس کا دفعیہ بھی ہمیں کرنا پڑے گا۔ شردھانند کا کام یہ تھا کہ ہندو مذہب کی ترقی اور اشاعت ہو۔ اس کے ایک دفعہ مرنے پر تمام ہندو اس کے کام کو پہلے سے بہت

زیادہ زور کے ساتھ جاری رکھنا چاہتے ہیں تو اے ہمارے دوستو! اور عزیزو! اس قوم کی کتنی بڑی ذمہ داری ہے کہ جس کا قائم کرنے والا کہتا ہے کہ سینکڑوں دفعہ مجھے قتل کیا گیا۔ جو کہتا ہے

؎ صد حسین است در گریبانم

اس کو کون مارنے والے تھے؟ کیا وہی نہ تھے جنہوں نے دین اسلام کے راستہ میں روکیں پیدا کیں۔ اگر آج ہندو قوم باوجود ہزاروں اختلافات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہو جاتی ہے اس لئے کہ ایک لیڈر نے جان دی تو اے احمدیو! اگر مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سو دفعہ جان دی تو کیا آپ ایک ہو کر اسلام کی اشاعت کا اقرار نہ کریں گے آپ کو اس نے اسلام کے پہرے دار مقرر کیا ہے اس لئے آپ پورے زور سے اس کی اشاعت میں لگ جائیں اور اس کی حفاظت کریں۔ یاد رکھو اگر اس زمانہ میں مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہ کی تو اس کا وہی حال ہو گا جو سپین میں مسلمانوں کا ہؤا۔

آج دنیا دلائل کے ساتھ فتح ہو سکتی ہے۔ اور دلائل کے ہتھیار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اتنے دیئے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ آج اسلام کے لئے مشکلات کے دن ہیں۔

کل ایک دوست نے سوال کیا تھا کہ بیعت کا کیا مقصد ہے۔ بیعت کا مفہوم یہی ہے کہ وفادارانہ طور پر ایک ہاتھ پر جمع ہو کر اقرار کیا جاتا ہے کہ ہم اسلام کے لئے مالوں اور جانوں کو قربان کریں گے۔ اور اس کام کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے جو اسلام کے لئے رات دن ایک کر کے اپنے مال و جان قربان کر دے۔ اگر اسلام کی حفاظت اور اشاعت کوئی کام ہے تو اس کے لئے جماعت کی ضرورت ہے۔ اور جماعت بن نہیں سکتی جب تک کہ لوگ ایک ہاتھ پر جمع ہو کر اقرار نہ کریں۔

جہاں میں اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں وہاں غیر احمدیوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ یہ دن امن کے دن نہیں ہیں۔ یہ زمانہ گھروں میں بیٹھنے کا زمانہ نہیں ہے۔ تم خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے جب تمہارے سامنے اسلام کی یہ حالت ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے ایک ہاتھ بڑھایا ہے۔ اگر تمہیں اسلام سے کچھ بھی محبت ہے تو آؤ آج اس ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کرو۔ اور دوسروں کے ساتھ مل کر سب کچھ قربان کر دو۔

دو نئے اخبار۔ سن رائز اور مصباح

اس سال دو نئے اخبار جاری کروائے ہیں۔ ایک تو مستقل طور پر جاری ہو گیا ہے وہ سن رائز ہے۔ دوسرا اخبار شرطی طور پر جاری ہوا ہے۔ میں نے کانفرنس میں اعلان کیا تھا کہ کوئی اخبار جاری نہ ہونے دوں گا جب تک کہ اس کے متعلق پہلے غور نہ کر لوں گا۔ وہ جماعت میں اشاعت ہونے والے اخباروں کے متعلق تھا۔ اب جس اخبار کی اجازت دی ہے وہ ایسا اخبار ہے کہ جس کی اشاعت غیر مسلموں میں ہوگی۔ پچھلے دنوں امریکہ میں پانچ ہزار پادری عیسائیت کی تبلیغ کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اس اخبار کی غرض یہ ہے کہ غیروں میں تبلیغ ہو اور اپنوں میں تبلیغ کے لئے جوش پیدا ہو۔ گویا یہ اخبار تبلیغ کے لئے اور تبلیغ کا جوش پیدا کرنے کے لئے جاری کیا گیا ہے اس لئے دوست نہ صرف خود خریدار بنیں بلکہ زیادہ تر دوسروں کو ہی خریدار بنائیں۔ کیونکہ یہ اخبار نہیں بلکہ اشاعت ہے۔ دوسرا اخبار شرطی ہے۔ جو عورتوں میں ترقی کی روح پیدا کرنے کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ یاد رکھو جب تک عورتوں میں ترقی کا احساس نہیں پیدا ہو گا تب تک مرد بھی پورے طور پر کام نہیں کر سکتے۔

تبلیغ کے نتائج

یہ سال تبلیغ کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا سال ہے۔ اس سال اعلیٰ طبقہ کے لوگ زیادہ مقدار میں سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ داخل ہونے والے عموماً بڑے طبقہ کے اور تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ پھر اس سال نئی جگہوں پر جماعتیں قائم ہوئی ہیں۔ ہزارہ میں ۱۸ معزز خوانین سے ۱۳ داخل سلسلہ ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ بالکل الگ پڑا تھا۔ سرحد میں بھی جماعت قائم ہوئی ہے۔ وہاں جماعت قائم ہونے سے افغانستان میں احمدیت پھیل سکتی ہے کیونکہ وہ لوگ کسی حکومت کے ماتحت نہیں۔ نہ انگریزوں کے نہ افغانستان کے ماتحت ہیں۔ ہاں افغانستان سے ان کے تعلقات ہیں۔ ہندوستان سے باہر سماٹرا میں بھی جماعت قائم ہوئی ہے۔ وہاں ایک معزز غیر احمدی نے اپنے پاس سے اخبار جاری کرایا ہے۔ جس میں اس نے کہا ہے کہ احمدیت کے مضامین بھی نکالے جائیں۔ اور وہ باوجود غیر احمدی ہونے کے احمدیہ سکول جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

دمشق میں جماعت قائم ہو رہی ہے۔ وہاں سے چندہ بھی آیا ہے۔ وہاں سے ایک دوست احسان حقی صاحب آئے ہوئے ہیں جو یہاں تعلیم پا رہے ہیں۔ (اس وقت ان کو حضرت صاحب نے کھڑا کر کے ان کا تعارف کرایا)۔ یہ معزز خاندان کے ہیں۔ ان کا خاندان جو ایک معزز اور

بارسوخ خاندان ہے تمام کا تمام احمدی ہو گیا ہے۔ یہ صاحب پانچ زبانیں جانتے ہیں اور بہت اخلاص رکھتے ہیں۔ یہاں اُردو زبان اور دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ غرض اس سال تبلیغ کا کام اچھے پیانہ پر ہوا ہے۔ اب میں ایسا طریق تبلیغ نکالنے والا ہوں کہ اس سے اگلے سال بغیر زائد خرچ کے اور ممالک میں بھی جماعتیں قائم ہوں گی۔

مولوی ظہور حسین صاحب کی واپسی

ایک اور خوش کن بات یہ ہے کہ ہمارے وہ عزیز جو دو سال ہم سے جدا رہے دو سال کی قید کے بعد چھوٹ کر آئے ہیں۔ آپ لوگوں نے ان کی تقریر سنی ہو گی۔ کہ روسی گورنمنٹ نے ان کو کیا کیا تکالیف دیں۔ تاریک قید خانوں میں ان کو ڈالا گیا۔ میں نے گورنمنٹ انگریزی کو ان کی خبر معلوم کرنے اور واپس بلانے کے لئے لکھا۔ اس موقع پر مَیں گورنمنٹ انگریزی کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس نے کوشش کر کے ان کا پتہ لگایا اور واپس ہندوستان میں بھیج دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہی بات ہے ہمیں تو اسلام سے ہمدردی ہے۔ اب دیکھو ایک طرف اسلام کی تبلیغ کرنے مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں پتھروں سے مارے جاتے ہیں اور ایک طرف عیسائی گورنمنٹ ہمارے گم شدہ آدمی کو تکلیفوں اور قید خانوں سے نکال کر ہندوستان واپس لاتی ہے حالانکہ وہ عیسائیت کے خلاف تبلیغ کرنے جاتا ہے۔

محمد امین خاں صاحب کے متعلق بھی افواہ تھی کہ وہ قتل ہو گئے ہیں۔ اب ایک دوست کا خط آیا ہے کہ یہ غیر معتبر افواہ ہے۔

پچھلے سال جلسہ پر معاً میرا حلق خراب ہو گیا۔ تین ماہ تک آواز بالکل خراب رہی۔ جس کے اثر سے قریباً سارا سال میری طبیعت خراب رہی دودھ کا ایک چمچہ سوڈے کے ساتھ بھی ہضم نہیں کر سکتا تھا۔ دست ہو کر نکل جاتا تھا۔ باوجود اِس کمزوری صحت کے خدا نے بہت سا کام کرنے کی توفیق بخشی۔ اس سال ترجمہ قرآن کریم بھی کر رہا ہوں۔ اس کا ایک حصہ اگلے سال اِنْشَاءَ اللّٰہُ مکمل ہو کر شائع ہو جائے گا۔

سِلسِلہ کی قوت و عظمت

اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ایک اور عظمت اور قوت حاصل ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ نمائندوں کے انتخاب میں وہ لوگ جو ہمیں کافر سمجھتے تھے اور ہماری شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے بھی

اپنی مدد کے لئے ہماری طرف رخ کیا حتیٰ کہ ایک پیر نے میری طرف لکھا کہ پیروں میں سے ایک نمائندہ منتخب ہونا چاہئے۔ چونکہ آپ بھی پیر ہیں اس لئے میرے حق میں ووٹ دلوائیں۔ مَیں نے اسے جواب دیا کہ پیروں کا کام گدیوں پر ہے کونسلوں میں نہیں۔ آپ کونسل سے باہر قومی مدد کر سکتے ہیں۔ غرض اس ذریعہ سے بھی ہماری جماعت کی خاص عظمت قائم ہو گئی ہے کیونکہ ہماری جماعت کی مدد سے ۱۶ مسلمان کونسل کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ جماعت کی طاقت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایک بڑا آدمی پہنچا اور اس نے کہا کہ آپ اپنی جماعت کو میرے حق میں بھی ووٹ دینے کے لئے ارشاد کریں۔ میں نے کہا کہ ہم چونکہ دوسرے آدمیوں کے حق میں ووٹ دینے کا وعدہ کر چکے ہیں اس لئے اب ہم آپ کے لئے ووٹ دینے سے معذور ہیں۔ پھر جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو مَیں نے کہا آپ ہماری طرف اتنا کیوں رخ کرتے ہیں۔ آپ دوسرے لوگوں سے مدد لے سکتے ہیں تو وہ کہنے لگا کہ آپ کے ووٹروں میں دو باتیں ہیں جو اوروں میں نہیں اس لئے ہماری نظریں آپ کی جماعت کی طرف ہی اُٹھتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ بات ہے کہ آپ کے ووٹر آپ کے مشورہ سے خود میرے پاس چل کر آئیں گے لیکن دوسری جگہ تو ایک ایک ووٹر کے گھر پر ہمیں جانا پڑے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے ووٹر اگر آٹھ ہزار بھی میرے حق میں ووٹ دینے کا وعدہ کریں تو مجھے ان پر اعتبار نہ ہو گا مگر آپ کے ووٹ اگر ۲۰۰ ہوں۔ تو میں اپنے لئے ۲۰۰ کے ۲۰۰ ہی ووٹ سمجھوں گا۔ تیسری بات یہ ہے کہ دوسرے ووٹر تو ہم سے آکر کچھ مانگتے ہیں اور ہمیں ان کو اپنے پاس سے کھانا وغیرہ دینا پڑتا ہے مگر آپ کے لوگ مفت کام کرتے ہیں۔ ایک نے بیان کیا کہ آپ کے آدمی صرف خود ہی ووٹر نہیں بنتے بلکہ دوسروں کو بھی ووٹر بنا لیتے ہیں اور تمام علاقہ کو سنبھال لیتے ہیں۔ ان وجوہات کے باعث اس دفعہ بڑے بڑے آدمی خود ہمارے پاس بار بار چل کر آئے جو ہمیں بالکل حقیر خیال کرتے تھے۔ اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا کہ سوائے ایک ممبر کے باقی سارے کے سارے کہ جن کی ہم نے تائید کی انتخاب میں کامیاب ہو گئے۔ یہ اتحاد اور اخلاص کی طاقت ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ جس اتحاد اور اخلاص سے ہم نے موجودہ الیکشن میں کام کیا ہے۔ اگر آئندہ بھی اسی طرح کام کیا تو تین چار الیکشنوں میں قریباً تمام بڑے بڑے آدمیوں کی توجہ ہماری طرف ہو گی اور اس کے نتیجہ میں کئی فوائد بھی ہمیں حاصل ہونے کی اُمید ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں سردار جوگندر سنگھ صاحب وزیر زراعت پنجاب یہاں آئے تو وہ اس اہمیت کی بناء پر ہمارے ہاں ہی ٹھہرے اور مجھ سے بھی ملے۔ ملاقات کے دوران میں بٹالہ والی سڑک کا بھی ذکر آگیا جس پر

انہوں نے فرمایا کہ اس محکمہ کا انچارج میں ہی ہوں آپ ہدایت فرمائیں کہ آپ کے سیکرٹری مجھے خط لکھ دیں تاکہ میں محکمہ کو توجہ دلا سکوں۔ اور اب ان کا خط آیا ہے۔ تو انہوں نے کہا پہلے تو یہ منظور شدہ تھا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے پاس روپیہ جمع ہو گا تو اس سے سڑک بنائی جائے گی لیکن اب اُمید ہے کہ گورنمنٹ کے خرچ سے سڑک پختہ بنائی جائے۔ پھر ہمیں یہ بھی امید ہے کہ الیکشن میں ہماری مدد کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہو گا کہ ممبر ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے کہا کہ لوگوں نے الیکشن میں میری اس لئے مخالفت کی تھی کہ میں نے احمدیوں کی مسجد کا افتتاح کیا۔ مگر میں احمدی جماعت کا بہرحال مشکور ہوں کیونکہ اس نے مجھے ایسے کام کرنے کے موقع دیا کہ جو قیامت تک تاریخوں میں میری عزت کا باعث رہے گا اور آئندہ بھی میں جماعت احمدیہ کی ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔

مسجد لندن کے متعلق پانچ سال ہوئے میں نے تحریک کی تھی۔ مسجد برلن کا چندہ بھی اس میں شامل کیا گیا۔ اب میں عورتوں میں تحریک کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ یا تو وہ مسجد لندن اپنے اس روپیہ کے معاوضہ میں لے لیں۔ اور یا اپنا روپیہ بطور قرضہ ہمارے پاس رہنے دیں۔ تاہم اسے سلسلہ کی اور ضروریات کے لئے کام میں لے آئیں۔ ان دو باتوں میں سے جو بات وہ پسند کریں اس کے لئے ہم تیار ہیں۔

افتتاح مسجد کی اہمیت

افتتاح مسجد کا واقعہ اپنے اندر اس قدر اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ اب دنیا کی کوئی تاریخ اس کو نہیں مٹا سکتی اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ یہ مسجد ہمیشہ قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعمیر کے لئے اور اسکی اس شُہرت کے لئے ایسے سامان کر دیئے کہ جن سے اس کی اہمیت اس قدر بڑھ رہی ہے کہ حیرانی ہی ہوتی ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اسے میرے ولایت جانے تک روکے رکھا۔ میرے وہاں جانے سے سِلسلہ کی یکدم حیرت انگیز شہرت ہو گئی کیونکہ ولایت کے لئے یہ عجیب بات تھی کہ ایک نبی کا خلیفہ وہاں پہنچتا ہے اس لئے ہر اخبار میں ہمارا ذکر متواتر ہوتا رہا اور کثرت کے ساتھ فوٹو چھپتے رہے حتیٰ کہ ایک جرمن اخبار کے پورے صفحہ میں میرا فوٹو شائع ہوا۔ اسی طرح امریکہ میں بھی ہمارے متعلق خبریں شائع ہوئیں۔ چونکہ میرے وہاں جانے پر میرے ہاتھ سے مسجد کی بنیاد رکھی گئی تھی اس لئے پہلے بنیاد کے موقع پر بڑے بڑے وزیر و لارڈ آئے۔ ان وجوہات کے باعث اب لوگوں کو یہ انتظار لگی ہوئی تھی کہ کب یہ مسجد مکمل ہو تو ہم دیکھیں اور جب مکمل ہونے لگی تو شُہرت

کے اور کئی ایک قدرتی سامان پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ مثلاً ایک یہ بات شہرت کا باعث بن گئی کہ یہ تحریک کی گئی کہ ابن سعود کے لڑکے کو بلایا جائے۔ چنانچہ ابن سعود نے بھی اس تحریک کو پسند کیا اور اپنے لڑکے امیر فیصل کو جو مکہ کا گورنر ہے بھیجنے کا وعدہ کیا۔ اب امیر فیصل کے خاص افتتاح مسجد کے لئے آنے کی خبر سے اور بھی شہرت ہونے لگی۔ جب امیر فیصل ولایت پہنچا تو بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان سے مولویوں نے تاریں دیں کہ یہ کیا کام کرنے لگے ہو۔ ہماری کیوں ناک کاٹنے لگے ہو۔ تمہاری اس حرکت سے ہماری ناکیں کٹ جائیں گی۔ اسی طرح مصر سے بھی ہمارے خلاف آوازیں اُٹھیں۔ یہ تاریں گئیں اور اسے روک دیا گیا۔ اب اس کے روکنے پر سارے برطانیہ میں اور بھی شور پڑ گیا کہ روکنے کی کیا وجہ ہوئی۔ یہ کیا بات ہے کہ امیر فیصل مکہ سے چل کر جس کام کے لئے ولایت پہنچتا ہے اس کام سے اسے روکا جاتا ہے کوئی خاص راز ہو گا۔ ولایت کے لوگ راز کے پیچھے بہت پڑ جاتے ہیں۔ راز کو معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مضمون پر مضمون نکلنے لگے کہ اس میں راز کیا ہے۔ ان مضامین کا ہیڈنگ ہی یہ ہوتا تھا کہ راز کیا ہے جب کئی روز تک بڑے زور سے آرٹیکل پر آرٹیکل نکلے کہ کیا بات ہے جس کی وجہ سے امیر فیصل یہاں پہنچ کر افتتاح مسجد سے رک گیا ہے۔ تو وہاں لوگوں میں اور بھی ہیجان پیدا ہوا کہ چلو اس مسجد کو تو چل کر دیکھیں کہ جس کے افتتاح کے لئے امیر فیصل مکہ سے یہاں پہنچا اور یہاں آکر اس کے افتتاح سے رک گیا۔ دراصل یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی اس منشاء کے ماتحت ہوا کہ ہمارے سلسلہ کی شہرت بھی ہو جائے اور پھر احسان بھی کسی کا نہ ہو۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ افتتاح تو پھر بھی ایک غیر احمدی کے ہاتھ سے ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے کب اسلام کو تمہاری طرح تنگ ظرف مانا ہے۔ ہمارے نزدیک اسلام ایسا تنگ ظرف نہیں۔ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عیسائیوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں تو ان پر اعتراض نہیں کرتے اور ہمارے صرف چابی دینے پر اعتراض کرتے ہو۔

پھر وہ مسجد اتنی بابرکت ہے کہ اس کے افتتاح کے ساتھ ہی اس کی برکات ظاہر ہونی شروع ہو گئیں۔ افتتاح ہی کے موقع پر چار انگریز مسلمان ہو گئے۔ پھر افتتاح پر ابھی دو ہفتہ ہی گزرے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ نوجوان انگریز مسلمان ہو گیا۔ جس نے اسلام کی تائید میں ایک نہایت لطیف مضمون شائع کیا ہے اسی وجہ سے اس کے باپ نے اس پر تشدد شروع کر دیا جو اس بات کی علامت ہے کہ اب وہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اسلام تو واقعہ میں پھیلنے لگا ہے۔ پہلے ہمارے کام کو ایک کھیل سمجھتے تھے لیکن اب محسوس کرنے لگے ہیں کہ اسلام پھیل رہا ہے۔ وہاں کا ایک اخبار

لکھتا ہے کہ ہزاروں تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں میں محسوس ہو رہا ہے کہ اب ہمیں عیسائیت کو چھوڑنا پڑے گا۔ اور پادریوں نے بھی ہمارے خلاف شور مچانا شروع کیا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسلام کو زبردست چیز خیال کرنے لگے ہیں۔ کیونکہ مقابلہ کا خیال شیر کے مقابل ہی پیدا ہوتا ہے۔ مٹی سے بنے ہوئے شیر کے لئے نہیں پیدا ہوتا۔ ہمیشہ شیر سے ہی کوئی ڈرا کرتا ہے۔

آج ایک اور خوشخبری آپ کو سناتا ہوں۔ آج ہی تار آیا ہے کہ آسٹرین حکومت کا وزیر احمدی ہو گیا ہے۔ اس نے احمدیت کا اعلان کر دیا ہے۔ اور چھ اور انگریزوں نے اس ہفتہ میں احمدیت کا اعلان کیا ہے۔ غرض اس افتتاح کے بعد ۱۳ بڑے آدمی سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں یہ گویا تیرہ حواری ملے ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ پہلے مسیح کے ساتھ جو کچھ ہوا یہاں اس کے اُلٹ ہو گا اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ان تیرہ حواریوں میں یہودا اسکریوطی اِنْشَاءَ اللّٰہُ کوئی نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے ہی بشارت دی تھی کہ میرے ولایت جانے سے اسلام کی فتوحات شروع ہوں گی۔ بعض دوستوں نے کہا بھی کہ میرے وہاں جانے سے کیا ہوا۔ حالانکہ اول تو جماعت نے ہی مجھے وہاں بھیجا تھا میں خود اپنے ارادہ سے وہاں نہیں گیا تھا بلکہ مجھے تو خواب میں بعض مصائب و مشکلات بھی دکھائے گئے جو میری غیر حاضری میں ہمارے خاندان میں پیدا ہونے والے تھے۔ لیکن باوجود اس کے جماعت کی کثرت رائے دیکھ کر میں وہاں گیا اور پھر میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جماعت یہ خیال نہ کرلے کہ میرے وہاں جاتے ہی احمدی ہونا شروع ہو جائیں گے۔ میں تو وہاں تبلیغ کے لئے حالات دیکھنے جاتا ہوں۔ پھر بعد کے حالات سے معلوم ہوا کہ میرے وہاں جانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ وہ فتوحات جو میرے وہاں جانے کے نتیجہ میں اب شروع ہوئی ہیں وہ کسی اور شخص کی طرف منسوب نہ ہوں اور اسلام پر کسی خاص شخص کا احسان نہ ہو بلکہ براہ راست حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب ہوں۔ پھر میں کہتا ہوں جب نبی بھی کوئی ایسا نہیں گزرا جس نے ایک دن میں فتح حاصل کی ہو تو ایک خلیفہ کو کس طرح ایک دن میں فتوحات مل سکتی ہیں۔ لیکن بہرحال اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ ایسی ترقی کر رہا ہے کہ ایک انگریز لکھتا ہے کہ اس سلسلہ کی ترقی کی نظیر پچھلی صدیوں کے کسی سلسلہ میں نظر نہیں آتی۔

جماعت کو نصائح

اب میں دوستوں کو چند نصائح کرتا ہوں۔ جب جماعتیں بڑھا کرتی ہیں تو حاسد لوگ جماعت کی ترقی کو دیکھ نہیں سکتے اور بعض لوگ کمزور دل

ہوتے ہیں۔ جب تک تو ان کا غیروں سے مقابلہ رہتا ہے تب تک ان میں جرأت رہتی ہے جب غیروں سے مقابلہ جاتا رہے تو اپنوں کے ہی گریبان پکڑنے لگتے ہیں۔ میں جماعت کے بعض افراد کے اخلاص میں کمزوریاں دیکھتا ہوں۔ یہ کمزوری علاج چاہتی ہے۔ یہ کمی اور کمزوری آگ کی مانند ہوتی ہے۔ آگ ایک جگہ پر نہیں رہا کرتی وہ ارد گرد بھی پھیلتی ہے اس لئے دوست خاص طور پر روحانیت کی فکر کریں۔ انہوں نے اپنی منزل مقصود کو پایا نہیں بلکہ ابھی تو وہ ابتدائی حالت میں ہیں۔ دیکھو اسلام چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے اس لئے کام کرنے کی ابھی بہت ضرورت ہے اور کام کے لئے اخلاص، حسن ظنی اور قدر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر ان باتوں کے کام نہیں ہوا کرتا۔ بدظنی کو ہی دیکھ لو اس مرض سے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں ایک غلام تھا۔ جس کو اس کا آقا بہت کم قیمت پر فروخت کر رہا تھا۔ خریدار نے آقا سے پوچھا اس کو کیا کیا ہنر آتے ہیں۔ کہا بہت آتے ہیں۔ خریدار نے پوچھا۔ پھر کیوں اسے کم قیمت پر فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن غلام نے کہا کہ مجھ میں بہت خوبیاں ہیں صرف ایک نقص ہے کہ میں ایک جھوٹ بول لیا کرتا ہوں۔ خریدار نے کہا۔ معمولی بات ہے اور اسے خرید لیا۔ اس سے کام کراتا رہا۔ ایک دن غلام روتا ہوا آقا کے پاس گیا اور کہا اور مجھ میں ہزار عیب بھی کیوں نہ ہوں۔ لیکن میں اپنے آقا کا بے وفا نہیں ہوں۔ آقا کی بے وفائی کبھی نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کی بیوی بے وفا ہے۔ اس کا ایک شخص سے ناجائز تعلق ہے۔ اور میں نے خود غیر سے ناجائز تعلق رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور اب اس کے دوست نے اسے یہ پٹی پڑھائی ہے کہ وہ آپ کو قتل کر دے تاکہ وہ آرام سے اپنے تعلق کو قائم رکھ سکیں۔ ایک دو دفعہ تو آقا نے کہا کہ میں یہ یقین نہیں کر سکتا میری بیوی پاک دامن ہے۔ مگر یہ سن کر غلام نے زور زور سے رونا اور چلاّنا شروع کر دیا اور کہا کہ غلام کا کام صرف عرض کرنا ہے باقی حضور مالک ہیں۔ تب تو اس آقا کو بڑی فکر ہوئی۔ اس نے پوچھا تمہیں کس طرح پتہ لگا۔ اس نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ وہ آپ کی بیوی کو اُسترا دے کر کہہ رہا تھا کہ جب تمہارا خاوند سو رہا ہو تو اس کے گلے پر یہ اُسترا پھیر دینا اگر حضور باور نہ کریں تو اس کا تجربہ کر لیں۔ مگر رات کو سوئیں نہیں خبردار ہو کر رہیں۔ اب تو آقا کو فکر ہوئی اور وہ اس امتحان کے لئے تیار ہو گیا۔ اور پھر اس کے بعد اسی طرح وہ غلام آقا کی بیوی کے پاس گیا اور کہا کہ مجھ میں بہت عیب ہیں۔ مگر میں آپ کا بے وفا نہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ آپ کا خاوند کسی غیر عورت سے ناجائز تعلق رکھتا ہے۔ اور وہ تمہیں قتل کر دینا چاہتا ہے۔ مَیں نے آپ کو اطلاع دے دی ہے۔ اس نے بھی اولاً تردید کی۔ مگر

آخر وہ بھی اس وہم میں مبتلاء ہو گئی اور اس غلام سے کہنے لگی۔ اس کا علاج کیا ہے۔ اس نے کہا کہ علاج یہ ہے کہ آپ کے خاوند کے ڈاڑھی کے دو بال ہوں جن سے تعویذ بنایا جاوے۔ تب اس کا یہ خیال جا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ غلام نے کہا کہ یہ تو بہت آسان ہے جب وہ سو رہا ہو تو اُسترے سے دو بال اُتار لیں۔ عورت اس کام کے لئے تیار ہو گئی۔ خاوند گھر میں آیا۔ رات کو عمداً ایسے طور پر لیٹ گیا کہ گویا وہ سو رہا ہے۔ اب اس کی بیوی نے اُسترا لیا اور خوب تیز کیا۔ اس کا گردن کے پاس لانا تھا کہ خاوند نے اسی اُسترے سے بیوی کو غضب میں آکر قتل کر دیا۔ خیر جب وہ پکڑا گیا اور اس سے قتل کا سبب پوچھا گیا تو اس نے وہی ظنّی سبب بتایا جو غلام سے سنا ہوا تھا۔ تحقیقات پر عورت بری ثابت ہوئی۔ تب آقا نے غلام سے کہا تُو نے یہ کیا حرکت کی۔ غلام نے عرض کی حضور سے میں نے تو پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ سال میں ایک جھوٹ بولا کرتا ہوں اور وہ یہی جھوٹ تھا۔ اب دیکھو ظنّ کی بناء پر کیا کچھ ہوا۔ کوئی قوم جیت نہیں سکتی جس میں بد ظنّی کا مادہ ہو کیونکہ اس صورت میں کام ہونا محال ہوتا ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے۔ ایک دفعہ نابینا اور سوجاکھا دونوں کو اکٹھا کھانا کھانے کا موقع پیش آگیا۔ نابینا حریص تھا پہلے تو اس نے جلدی جلدی کھانا شروع کیا۔ پھر اسے خیال ہوا کہ یہ سوجاکھا تو مجھے دیکھ کر جلدی جلدی کھا رہا ہو گا تو دونوں ہاتھوں سے کھانا شروع کر دیا۔ پھر اس پر بھی نہ رہ سکا اس نے خیال کیا کہ ممکن ہے کہ سوجاکھا بھی میری طرح دونوں ہاتھوں سے کھا رہا ہو تو اس نے کپڑے میں کھانا ڈالنا شروع کیا۔ مگر اس پر بھی اکتفانہ کر سکا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ بھی کپڑے میں ڈال لے گا کھانے کا برتن اُٹھا لیا اور کہا تم جاؤ تم تو سارا کھانا ہی کھا جاؤ گے۔ سوجاکھا بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ ہنسنے لگا کہ یہ کہاں تک پہنچا ہے تو بد ظنّی بہت انتہاء پر لے جاتی ہے۔

ناظرانِ سلسلہ کی قربانیاں

میں مثال کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ ہم سے بعض نے کس طرح بد ظنی سے کام لیا ہے۔ ایک دوست نے مجھے لکھا کہ قادیان میں بڑے بڑے کارکنوں پر اتنا روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آدھی تنخواہ پر ان سے زیادہ لائق آدمی مل سکتے ہیں۔ اب دیکھو یہ ایک ظن ہے جو بہت دور تک پہنچتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمیوں کی لیاقتیں محض ڈگریوں پر نہیں ہوتیں۔ کاموں میں محض ڈگریوں کو ہی نہیں مدنظر رکھا جاتا۔ بعض وقت تجربہ کو دیکھا جاتا ہے۔ بعض دفعہ ذہن رسا دیکھا جاتا ہے۔ محض ڈگری کوئی چیز نہیں۔ خاندانی وجاہت بھی ایک چیز ہے۔ ذہن رسا بھی ایک چیز ہے۔ پھر سوسائٹی بھی

ایک چیز ہے۔ خاندانی وجاہت کی وجہ سے ایک شخص کو معمولی لیاقت سے وہ عہدہ مل جاتا ہے جو دوسرے کو اعلیٰ لیاقت پر نہیں ملتا۔ اسی طرح ذہن کی وجہ سے ایک انٹرنس پاس کو تین سو ملتے ہیں اور دوسرے بی۔ اے کو اتنے نہیں ملتے۔ یا ایک تجربہ کار انٹرنس پاس کو تین سو ملتے ہیں اور دوسرے بی۔ اے کو ساٹھ ملتے ہیں۔ تو دنیا میں خالی ڈگریوں سے کام نہیں ہوا کرتا بلکہ کام کے لئے اور باتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔اے ہیں۔ آج سے ۱۴ سال پہلے انہوں نے ایم۔ اے پاس کیا۔ اس وقت وہ ولایت تبلیغ کے لئے گئے۔ اور پہلے بغیر ایک پیسہ تک انجمن سے لینے کے وہاں کام کیا۔ وہ اس رنگ میں گئے تھے کہ خواجہ صاحب صرف ان کو روٹی دے دیا کریں گے۔ ایک ایم اے پاس کے لئے یہ کتنی بڑی قربانی ہے۔ انہیں دنوں میں مسٹر والس پرنسپل نے جو ان کو پڑھاتا رہا متواتر یہاں خط لکھے کہ میں نے چوہدری فتح محمد کے لئے کالج میں ایک پروفیسر کی جگہ خالی کرائی ہے جس طرح بھی ہو انہیں منگوا دو۔ اگر وہ اس وقت اس آسامی پر لگ جاتے تو آج سے چودہ سال پہلے وہ ڈھائی سو لے سکتے تھے اور یہاں چودہ سال کی سروس کے بعد آج ایک سو ستر ملتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ چلو ہم تمہارے کہنے سے آج ہی ان کو علیحدہ کر دیتے ہیں۔ تم ہمیں انہیں کی طرز کا کوئی آدمی لا دو۔ جو ذہن کے لحاظ سے، لیاقت کے لحاظ سے چوہدری صاحب سے زیادہ تو کیا ان جیسا بھی ہو۔ چودہ سال اس نے ملازمت کی ہو ڈھائی سو روپیہ آج سے چودہ سال پہلے تنخواہ لیتا ہو اور یہ خصوصیات بھی اس میں ہوں تو ہم بڑی خوشی سے رکھنے کے لئے تیار ہیں۔

پھر مفتی محمد صادق صاحب ہیں۔ جو جس سروس کو چھوڑ کر آئے اس وقت ان کے ماتحت آج ۵۰۰ لے رہے ہیں۔ اگر وہ اس سروس پر رہتے تو کم از کم آج ۸۰۰ لے لیتے۔ ہم ان کو علیحدہ کرنے کو تیار ہیں مگر ہمیں تم ان کی طرح کا وہ آدمی دے دو جو گورنمنٹ سے ۸۰۰ تنخواہ بھی لے سکتا ہو۔ اور پھر اس میں مفتی صاحب کی خصوصیات بھی ہوں۔ مثلاً اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہو۔ حضرت مسیح موعود کی صحبت سے انہیں کی طرح فیض یافتہ ہو۔ اور ان کی سی لیاقت اور قابلیت رکھتا ہو۔ ان کا سا تجربہ کار ہو۔ تو آج اگر ان خصوصیات کا آدمی ہمیں ۲۰۰ پر بھی مل جائے تو ہم غنیمت سمجھتے ہیں۔

پھر میر محمد اسحاق صاحب ہیں جو ناظر ضیافت ہیں۔ وہ لنگر کا کام اور دینی خدمات بغیر تنخواہ کے سرانجام دیتے ہیں۔ مدرسہ احمدیہ میں وہ مدرّس ہیں اور دوسرے مدرّسوں کی طرح ان کو بھی

تنخواہ ملتی ہے۔ وہ اسی تنخواہ پر گزارہ کرتے ہیں اور باقی فرائض کو حِسْبَۃً لِلّٰہِ سرانجام دیتے ہیں۔

پھر مولوی شیر علی صاحب ہیں۔ ان کو اب ۲۰۰ ملتے ہیں۔ ایک تو ان کی انگریزی کی قابلیت وہ چیز ہے جو اوروں میں نہیں۔ اس کے علاوہ یہ قابلیت ان میں ہے کہ وہ مضمون پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ ان کے مضمون پڑھنے والے دوستوں نے دیکھا ہو گا کہ وہ کس طرح مضمون کی باریکیوں تک پہنچتے ہیں اور کوئی پہلو اس کا باقی نہیں چھوڑتے۔ پھر جب وہ یہاں ملازم ہوئے ہیں۔ اس وقت ان کا نام منصفی (سب ججی) میں جاچکا تھا اور یہاں وہ ۲۰ روپے پر لگے تھے۔

میاں بشیر احمد صاحب ایم۔ اے ہیں۔ وہ ۱۴۰ لیتے ہیں۔ ہمارا خاندان خاندانی حیثیت سے بھی کوئی معمولی خاندان نہیں۔ ہمارے خاندان نے جو گورنمنٹ کی خدمات کی ہیں ان کے لحاظ سے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ پر لگ سکتے ہیں۔ ان کی لیاقت کا یہ حال ہے کہ انہوں نے جب میرے مضمون کو جو بذریعہ تار افتتاح مسجد پر لندن بھیجا گیا تھا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس مضمون کی انگریزی کے لحاظ سے ولایت کے ایک بڑے آدمی نے لکھا کہ وہ انگریزی کے لحاظ سے کم از کم خان بہادر عبدالقادر صاحب کی لیاقت کا مضمون تھا۔ اب ان کی قابلیت کا آدمی ان کے ذہن کا آدمی اگر ہمیں مل جاوے تو ہم بڑی خوشی سے لینے کو تیار ہیں۔

پھر میاں شریف احمد صاحب ہیں۔ ان کو ۱۰۰ روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ آج سے آٹھ سال پہلے ان کو ۱۰۰ روپیہ گورنمنٹ نے دینا منظور کیا تھا۔ گورنمنٹ نے ان کو فوج میں لیفٹیننٹ کے عہدہ پر رکھا۔ کمانڈنگ آفیسر انہیں واپس نہیں بھیجتا تھا۔ آخر مَیں نے کمانڈر انچیف کو بار بار لکھ کر اس کے ذریعہ آرڈر بھجوا کر واپس بلایا۔

مولوی عبدالمغنی صاحب ناظر بیت المال بی۔ ایس۔ سی ہیں۔ ان کی چودہ سال کی سروس ہے۔ مدت دراز تک وہ ساٹھ روپے ہی لیتے رہے ہیں۔ اب جب کہ ناظروں کا گریڈ مقرر ہؤا۔ تو مناسب سمجھا گیا کہ ان کی تنخواہ میں بھی ترقی کی جاوے۔ چنانچہ کچھ عرصہ سے ان کی تنخواہ زیادہ کی گئی ہے۔ جس زمانے میں وہ یہاں آئے ہیں۔ اس زمانہ میں بی۔ ایس۔ سی فیل کی وہ تنخواہ تھی جو آج ایم۔ اے کی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا کوئی دنیا میں ایسی شریف اور مہذب گورنمنٹ ہے جو یہ برداشت کرے کہ وہ پندرہ پندرہ سال کے تجربہ کاروں کو نکال کر نئے آدمی رکھ لے۔ یہ تو اندھی نگری چوپٹ راجا" والا معاملہ ہو گا۔ میں ان اپنے کارکن دوستوں کو کہہ سکتا ہوں کہ تم آج ہی قادیان کو چھوڑ دو اور ان ملازمتوں کو چھوڑ دو اور وہ آج ہی شام سے پہلے پہلے استعفیٰ لے آئیں

گے۔ جنہوں نے اتنے سال قربانیاں کیں وہ یہ قربانی بھی کرلیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پہلے مجھے ان جیسے آدمی لا دو۔ ان پہلے آدمیوں کو تو یہاں سے جاتے ہی یہاں کی نسبت باہر اچھی جگہیں مل جائیں گی۔ چنانچہ پچھلے دنوں یہاں کے ایک کارکن کو جنہیں تخفیف میں آنا پڑا۔ اور معمولی تنخواہ لے رہے تھے باہر جاتے ہی ۱۲۰ مل گئے۔ اور پھراس محکمہ میں جس میں وہ ملازم ہیں ترقی کا بھی کافی میدان ہے۔ لیکن ہمارا یہ مطلب ہے کہ ہمیں تم ان کی بجائے ان کی خصوصیات رکھنے والے آدمی کہاں سے لا دو گے۔ جنہوں نے سلسلہ کے کاموں میں عمریں صرف کر دیں۔ خدارا غور کرو ان کارکن دوستوں کے دلوں پر کیا اثر پڑے گا جب وہ یہ سنیں گے۔ کہ ہمارے متعلق لوگوں کے یہ خیالات ہیں۔ حالانکہ اگر آپ ان کو اپنے سروں پر اٹھاتے تو بھی ان کی خدمات کا بدلہ نہیں دے سکتے تھے۔ پھر ان باتوں کا نقصان ان کارکنوں کو تو نہیں پہنچے گا۔ ان کو تو بہتر سے بہتر ملازمتیں مل جائیں گی۔ ان باتوں سے سلسلہ کو نقصان پہنچے گا۔ ہمارے بعض دوست تو یہ شکایات کرتے ہیں۔ اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم قحط الرجال کے شاکی ہیں۔ یہ ایک شکایت میں نے مثالاً بیان کی ہے۔ ورنہ اور کئی اس قسم کی شکایات ہیں جو محض بدظنی سے پیدا ہوئی ہیں اور سلسلہ کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرو اور سلسلہ میں کام کرنے والوں کی قدر کرو۔ دیکھو جب یہ بات پھیلے گی تو ناواقف تو یہی سمجھیں گے کہ یہاں روپیہ برباد ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ چندوں میں سست ہوں گے۔ اور اس سے چوہدری صاحب یا مفتی صاحب کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ سلسلہ کو پہنچے گا۔ سلسلہ کے کام درہم برہم ہو جائیں گے۔ پس اعتراض کرنے والا اس قسم کے کارکنوں پر اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اس جڑ پر تبر رکھتا ہے۔ جس کی حفاظت کے لئے خود خدا تعالیٰ کھڑا ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کے ایمان نہ ضائع ہو جائیں۔

بچوں کی تربیت

اس کے بعد میں اور ضروری بات کی طرف آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ بچوں کی تربیت کی بہت ضرورت ہے۔ احباب جلسہ پر تو بچوں کو ساتھ لے آتے ہیں۔ لیکن صرف اتنی تربیت ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اول تو یہاں بچوں کو بھیجیں اور اگر استطاعت نہ ہو تو پھر اپنے ہاں ہی بچوں کی خصوصیت سے دینی تربیت کی طرف توجہ کریں۔

انجمن انصار اللہ

یہاں میں نے ایک انجمن بچوں کی بنائی ہے۔ جس کا نام انصار اللہ رکھا اس میں مَیں خود ان کو ہدایات دیتا ہوں۔ چنانچہ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے لڑکے اب تہجد پڑھنے لگے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمام بیرونی جماعتوں میں بھی اس قسم کی انجمنیں بنائی جائیں جن میں بچوں کو اخلاقی تربیت کے سبق سکھائے جائیں تاکہ وہ آئندہ قوم کے بہترین افراد ثابت ہو سکیں۔ مگر بہتر طریق یہی ہے کہ بچوں کو یہاں بھیجیں کیونکہ یہاں میں خود تربیت کے متعلق سبق دیتا ہوں۔ ان کی تربیت کرتا ہوں۔ تھوڑے دنوں میں ہی تربیت اعلیٰ رنگ میں ہو گئی ہے۔ دوست بچوں کو قادیان بھیجیں۔ اگر بعض نہیں بھیج سکتے تو اپنے پاس ہی ان کی تربیت کریں۔

خدا کا قرب حاصل کرنے کیلئے بڑی قربانیوں کی ضرورت

ترقیات لیکچر سننے یا لیکچر دینے سے نہیں ہوا کرتیں۔ ترقیات کام کرنے سے ہوا کرتی ہیں۔ سلسلہ میں داخل ہونے کی غرض محض لیکچر نہیں بلکہ دین کی خدمت اور قرب الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔ دوست دین کی خدمت کریں۔ کچھ کام کریں اور قرب الٰہی کو حاصل کریں اور قرب الٰہی قربانیوں سے حاصل ہوتا ہے۔ بڑے کاموں کے لئے بڑی اور لمبی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ لوگوں نے خدا کے فضلوں کا وارث ہونا ہے اور کیا خدا کے فضلوں کا وارث ہونا اس کا مقرب ہونا کوئی معمولی بات ہے۔ اتنے بڑے فضلوں کے تم معمولی کاموں سے تو وارث نہیں ہو سکتے بلکہ بڑے فضلوں کے لئے بڑی اور لمبے عرصہ تک قربانیاں کرنی پڑیں گی۔

اس وقت عام طور پر بڑی قربانی چند دن چندہ دینا سمجھی جاتی ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی بادشاہوں کا قرب حاصل کرنے کے لئے لوگ ساری ساری عمریں خدمت میں خرچ کر دیتے ہیں۔ معمولی خطاب لینے کے لئے تمام عمر بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں۔ پھر وہ خطاب بھی کوئی حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا گورنمنٹ انہیں خان بہادر کا خطاب دیتی ہے۔ کیا واقعہ میں وہ بہادر ہو جاتا ہے۔ وہ تو بعض وقت نہایت بزدل ہوتا ہے۔ اس خطاب سے بنتا کچھ نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ جس کو جو خطاب دیتا ہے اس کے اندر واقعہ میں وہ بات بھی پیدا کر دیتا ہے۔ اسے واقعہ میں انعام دیتا ہے خالی خطاب ہی نہیں دے چھوڑتا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ایک شخص آیا۔ اس نے کہا مجھے بڑے الہام ہوتے ہیں۔ حضرت صاحب نے اسے فرمایا۔ کہ جب تجھے کہا جاتا ہے کہ تُو محمد ہے یا

ابراہیم یا موسیٰ ہے۔ تو کیا کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں؟ جو (سیدنا) محمد ﷺ پر انعام ہوئے وہ تمہیں بھی ملتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا کہ ملتا تو کچھ نہیں۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا۔ یہ پھر خدا کی طرف سے الہام نہیں یہ کسی اور ہستی کی طرف سے ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جب الہام ہوتا ہے تو اس کے مطابق ملتا بھی ہے۔ خدا دنیا کی گورنمنٹ کی طرح تو نہیں۔ خدا میں تو سب طاقتیں ہیں۔ کبھی کوئی خالی ہاتھ بھی کہا کرتا ہے کہ یہ چیز لو۔ وہ تو بچے ہنسی سے کیا کرتے ہیں۔ یہ شیطانی بات ہے خدائی الہام نہیں۔ خدا اگر کہتا کہ تو محمد ہے تو تجھے محمد والی طاقتیں بھی دیتا۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمن کو ولی کا خطاب ملتا ہے۔ اب کیا یہ خطاب یونہی مل جائے گا۔ اگر معمولی بات سے یہ خطاب ملنے لگے تو پھر تو کنجنی بھی ولی ہو سکتی ہے جو ایک مسجد بنا چھوڑے۔ پس خدا کے قرب کے لئے ایک چیز کی قربانی نہیں ہوتی اور نہ ایک وقت میں قربانی ہوتی ہے بلکہ ہر وقت ہر چیز کی قربانی کی جائے۔ تب جا کر خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ آخر سوچو تو سہی تم نے بننا کیا ہے؟ خدا کا درباری۔ کیا یہ عہدہ کوئی معمولی عہدہ ہے۔ اس سے سمجھ سکتے ہو کہ اس عہدہ کے لئے کتنی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ میں نے بچوں کو بتایا تھا کہ جب گاؤں میں ڈپٹی کمشنر آتا ہے۔ تو تم کس طرح اس کے دیکھنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے بھاگتے پھرتے ہو۔ اور تم بڑے خوش ہوتے ہو اور فخر سے اپنے دوستوں کو سناتے ہو کہ میں نے ڈپٹی کمشنر کو دیکھا ہے حالانکہ وہ تمہاری طرف کبھی نظر نہیں اٹھاتا۔ اور اگر وہ کسی بچہ سے کوئی بات کرے تو پھر تو وہ بچہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ وہ یوں سمجھتا ہے کہ گویا اسے بڑی نعمت مل گئی ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں نماز کیا ہے۔ نماز ہے خدا کے حضور حاضر ہو کر اس کی زیارت کرنا اور اس سے باتیں کرنا۔ تمہارے اندر اس نماز سے کیوں نہیں خوشی پیدا ہوتی۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس مثال سے بچوں کے چہروں پر بشاشت تھی۔ آپ لوگ ایسی جماعت میں سے ہیں کہ جس کا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ اس میں ہمیشہ ایک قائم مقام رہا جس کی اطاعت فرض ہے وہ جس چیز کے لئے کہہ دے کہ فلاں جگہ پر اسے خرچ کرو تو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ اسے دوسری جگہ پر خرچ کرے۔ فتح مکہ پر رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں کو مال دیئے تو انصار میں سے ایک نوجوان نے غلطی سے کہہ دیا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال رسول اللہ کے ہم وطن لے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچ گئی۔ آپ نے انصار کو بلایا اور فرمایا۔ تم نے یہ بات کہی ہے۔ انصار دیندار تھے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ انہوں نے

کہا یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک نوجوان نے ایسا کہا ہے۔ ہم نے خود اسے بہت ڈانٹا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے انصار! بے شک تم کہہ سکتے ہو۔ تو بے وطن تھا ہم نے تجھے اپنے پاس جگہ دی۔ تو بے کس تھا ہم نے تیرے دائیں اور بائیں اپنی جانیں دیں اور خون کی ندیاں بہا کر تیری حفاظت کی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم ہرگز ایسا نہیں کہتے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ ہاں یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ خدا نے خود نصرت دی اور مکہ پر فتح دی مگر فتح مکہ کے بعد لوگ تو اپنے گھروں میں اونٹ لے گئے۔ اور تم خدا کے رسول کو اپنے گھر لے آئے۔ اے انصار! جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا اب دنیا میں رسول کی خلافت تمہیں نہیں ملے گی۔[۳] ہاں آخرت میں تمہیں معاوضہ دیا جائے گا۔ چنانچہ آج تک کوئی انصاری خلیفہ نہیں ہوا۔ اس واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ بعض وقت ایک بات منہ سے نکل جاتی ہے۔ جس کو انسان معمولی سمجھتا ہے لیکن اس کا نتیجہ بہت دور تک پہنچتا ہے۔

اسی طرح یہاں جب ہمارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ خلیفہ قائم کرتا ہے وہ اگر اموال تلف کرتا ہے یا تلف کرنے دیتا ہے تو وہ خود خدا کے حضور جوابدہ ہے تم اس پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر بہترین نتائج پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے تو پھر معترض شخص خطرہ میں ہے۔

تقویٰ اور ادب سیکھو

آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ تم نے اقرار کیا ہے کہ تم ہر چیز کو میرے حکم پر قربان کردو گے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس اقرار کا پورے طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔ اقرار تو یہ تھا کہ جو کچھ میں کہوں وہ تم کرو گے لیکن عمل یہ ہے کہ چند پیسوں پر ابتلاء آجاتا ہے۔ یہ تمام وسوسے تقویٰ کی کمی سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے میں تقویٰ کے حصول کے لئے اور اس میں ترقی کے لئے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ خواہ آپ میں سے بعض مجھ سے عمر میں بڑے ہوں لیکن ایک بات آپ میں سے کسی میں نہیں۔ وہ یہ کہ میں خدا کا قائم کردہ خلیفہ ہوں۔ میری تمام زندگی میں لوگ میری بیعت کریں گے۔ میں کسی کی خدا کے قانون کے مطابق بیعت نہیں کر سکتا اور یہ عہدہ میری موجودگی میں تم میں سے کسی کو نہیں مل سکتا۔ نبوت کے بعد سب سے بڑا عہدہ یہ ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ ہم کوشش کرتے ہیں تا گورنمنٹ آپ کو کوئی خطاب دے۔ میں نے کہا یہ خطاب تو ایک معمولی بات ہے۔ میں شہنشاہ عالم کے عہدہ کو بھی خلافت کے مقابلہ میں ادنیٰ سمجھتا ہوں۔ پس میں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے معاملات میں ایسا رنگ اختیار کریں جس میں تقویٰ اور ادب ہو۔ اور میں کبھی یہ بھی نہیں پسند کر سکتا کہ وہ ہمارے دوست جن کو اعتراض پیدا ہوتے ہیں

ضائع ہوں کیونکہ خلافت کے عہدہ کے لحاظ سے بڑی عمر کے لوگ بھی میرے لئے بچہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور کوئی باپ نہیں چاہتا کہ اس کا ایک بیٹا بھی ضائع ہو۔ میں تو ہمیشہ یہی خواہش رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر ابتلاء سے ہمیشہ دوستوں کو محفوظ رکھے۔

مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا وسیع دل دیا ہے کہ مَیں دشمن کے لئے بھی بد دُعا کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایک شخص نے کہا کہ مولوی ثناء اللہ کے لئے تم بد دُعا کیوں نہیں کرتے۔ مَیں نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا دل دیا ہوا ہے۔ تو جو شخص دشمنوں تک کے لئے بد دُعا نہیں کرتا وہ دوستوں کے لئے کیا کیا دُعائیں کرتا ہو گا۔ خدا کے حضور جھکو۔ دُعاؤں میں گریہ و زاری کرو تا تم پر خدا کی طرف سے برکات نازل ہوں۔ تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کے قیام کے لئے نماز اور نماز باجماعت کی پابندی ضروری ہے۔ مَیں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ نماز کے لئے جماعت کی پابندی ضروری ہے۔ اگر دوست دو تین میل کے فاصلے پر بھی ہوں تو بیوی بچوں کو ساتھ لے کر جماعت کرا لیا کریں۔ اور دفتروں میں ایک جگہ اکٹھے ہو کر باجماعت ادا کریں۔

دسویں نصیحت یہ ہے کہ تقویٰ کے قیام کے لئے معاملات کی درستگی بھی نہایت ضروری ہے۔ بعض دوست معاملات میں درستی کا خیال نہیں رکھتے۔ بعض لوگ روپیہ قرض پر لیتے ہیں پھر ادا کرنے میں نہیں آتے۔ اس کے نتیجہ میں بد ظنی پیدا ہوتی ہے۔ قرض خواہ مظلوم ہوتا ہے اسے دُور کی سوجھتی ہیں۔ اور ایک بات پر سب کو قیاس کر لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ ایک حجام کو روپیوں کی تھیلی ملی۔ وہ اُمراء کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ اس کے پاس تھیلی دیکھ کر اُمراء ہنسی سے پوچھا کرتے۔ سناؤ شہر کی کیا حالت ہے۔ وہ کہتا کوئی کم بخت بھی تو ایسا نہیں جس کے پاس کم از کم پانسو اشرفی نہیں۔ ایک دن ایک امیر نے اس کی تھیلی ہنسی سے اٹھالی۔ کچھ دن بعد امیر نے پوچھا سناؤ شہر کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا شہر کی کیا پوچھتے ہو شہر کا بڑا حال ہے سب لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ امیر نے تھیلی واپس دے کر کہا لو بھائی اپنی تھیلی پاس رکھو شہر نہ بھوکا مرے۔ اس مثال سے انسانی دماغ کی حالت معلوم ہوتی ہے۔ اس پر جو گزرے وہ سمجھتا ہے کہ یہی حال سب کا ہے اس لئے جس کے ساتھ معاملہ اچھا نہ ہو وہ یہ قیاس کر لیتا ہے کہ سب کا ایسا ہی حال ہے یہاں تو بھائی سب بد معاملہ ہیں۔ مگر قرض خواہوں کے لئے بھی مناسب ہے کہ درگذر سے کام لیں اور سب پر ایک بات کا قیاس نہ کر لیا کریں کیونکہ جو بات قوم میں پھیلائی جائے وہ خواہ قوم میں پہلے نہ بھی ہو تو بھی وہ قوم میں پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے قرآن کریم نے بدی کی اشاعت سے منع کیا ہے۔[۲] مثلاً

آج تم یہ کہنے لگو کہ ہماری قوم میں چور بہت ہو گئے ہیں تو اگر قوم میں ایک بھی چور نہ ہو تو بھی دس سال بعد قوم میں ضرور چور اور جھوٹے پیدا ہو جائیں گے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے بدیوں کی نسبت دلوں پر ایک ہیبت بٹھائی ہوتی ہے۔ جب عام زبانوں پر کوئی بات جاری ہو تو وہ ہیبت دلوں سے اُٹھ جاتی ہے اور بات معمولی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ڈاڑھی کا ہی معالمہ دیکھ لو۔ آج سے ۵۰ سال پہلے ڈاڑھی منڈانا عیب سمجھا جاتا تھا اس لئے لوگ عام طور پر نہیں منڈایا کرتے تھے بلکہ منڈانے والا لوگوں میں نہیں پھر سکتا تھا لیکن آج کس قدر اس کا رواج بڑھا ہؤا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ اب یہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے بلکہ فیشن بن گیا ہے۔ جس بات کو لوگ کرتے ہوئے دیکھتے یا سنتے ہیں وہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ اور جس کو کوئی نہیں کرتا اس کی کوئی جرأت نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہماری قوم گنہگار ہے درحقیقت اس نے قوم کو ہلاک کر دیا۔[۵] یہ باتیں بظاہر ابتداء میں چھوٹی نظر آتی ہیں مگر نتائج ان کے خطرناک نکلتے ہیں۔ کیا بیج چھوٹے نہیں ہؤا کرتے پھر کتنے بڑے درخت بن جاتے ہیں اسی طرح ایک چھوٹے سے چھوٹا بُرا بیج قوموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔

پس آپ لوگوں کے دل و دماغ آپ کے قابو میں ہونے چاہئیں۔ وہ کام مت کرو کہ جس سے حضرت مسیح موعودؑ کا سارا کیا کرایا خراب ہو جائے اور آپس کے معاملات کو درست کرو۔ درحقیقت ایک بد معاملہ شخص قوم کے بیسیوں مسکینوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ ہاں اگر کوئی معاملہ خراب کرتا ہے تو تمہارے لئے بھی مناسب ہے کہ صبر کرو اور شور مت کرو آخر مال چوری بھی تو ہو جاتے ہیں۔ بڑی بڑی قیمتی چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی کے بد معاملہ سے نقصان ہؤا ہے تو سمجھ چھوڑو کہ چلو چوری ہو گیا۔

پھر یہ سوچو کہ اس وقت اسلام پر بڑی مشکلات کا زمانہ ہے۔ مشکلات کے زمانہ میں جھگڑے نہیں ہؤا کرتے۔ بتاؤ جب طوفان آرہا ہو تو کیا اس وقت لوگ آپس میں لڑا کرتے ہیں۔ اس وقت چیزیں سنبھالنے کی ہوش نہیں ہوتی۔ اس وقت تو جان کی فکر ہوتی ہے۔ دیکھو اس وقت اسلام کو کفر کھا رہا ہے اور ہمارے کندھوں پر تمام دنیا کا بوجھ ہے۔ اب تو یہ ضرورت ہے کہ ایسی نصرت حاصل کرو کہ کفر کو کھانے لگ جاؤ اور نصرت کے حصول کے لئے تقویٰ حاصل کرو۔

اب یہ بتاتا ہوں کہ تقویٰ کیا چیز ہے۔ اس کے معنے کئی دفعہ میں ایک مثال سے بیان کر چکا ہوں جو اب پھر بیان کرتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے کسی نے پوچھا۔ تقویٰ کیا چیز ہے۔ انہوں نے

جواب دیا۔ تنگ گلی میں چاروں طرف کانٹے ہوں اور زمین پر کنکر ہوں تو بتاؤ ایسے رستہ سے تم کیونکر گزرو گے۔ اس نے کہا کپڑے چاروں طرف سے سمیٹ کر ہی گزروں گا۔ یہ بظاہر چھوٹی سی بات ہے لیکن درحقیقت بہت لطیف بات ہے۔ اسی طرح ایک بزرگ نے کہا کہ چھوٹی باتوں کو بڑا سمجھو۔ یعنی چھوٹے گناہوں کو بڑا سمجھو۔ یہ پہاڑ جو نظر آتے ہیں ذرات سے ہی بنے ہیں۔ پس مؤمن ہر ایک حرکت میں یہ دیکھے کہ میری اس حرکت کا مجھ پر اور میری قوم پر کیا اثر پڑے گا۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ تقویٰ کے حصول کے ذرائع کیا ہیں مَیں تقویٰ پر کوئی خاص مضمون بیان نہیں کرتا بلکہ انہیں باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو کئی دفعہ بیان کرچکا ہوں۔

تقویٰ کے معنے ہیں کہ انسان خدا کو اپنی ڈھال بنائے۔ یہ لفظ وقایہ سے نکلا ہے جس کے معنے بچاؤ اور حفاظت کے ہیں۔ تو تقویٰ کے معنے ہوئے کہ انسان اپنے اندر ایسی حالت پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہو جائے۔ اب غور کرو خدا کیوں محافظ بنے گا۔ اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ انسان کس شخص کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ہم سب سے زیادہ حفاظت اس کی کرتے ہیں جو ہمارا کام کرتا ہے۔ جس کو ہم جانتے ہیں کہ اس کے نقصان سے ہمیں نقصان پہنچے گا۔ اسی طرح ہم کو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ہم کونسے کام کریں کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمارا محافظ ہو جائے۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آنے کا اور تقویٰ کے حصول کا وہ یہ ہے کہ انسان کلمۃ اللہ کے اعلاء میں لگ جائے۔ اس کی شان کا اظہار کرے۔ اسی طرح جب وہ کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی حفاظت کرے گا۔ اس کو ایسی راہوں پر چلائے گا کہ جن پر چلنے سے اس کی حفاظت ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کس طریق سے ہو۔ بعض کام اللہ تعالیٰ جبر سے کرتا ہے اور بعض ربوبیت سے۔ سب سے پہلا کام اللہ تعالیٰ کا ربوبیت ہے۔ جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں آیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [1] اس میں اس کی پہلی صفت ربوبیت کی بیان ہے۔ اب انسان بھی اپنے ذریعہ سے اس کی صفت ربوبیت کی شان کا اظہار اور اس کے کلمہ کا اعلاء کر سکتا ہے کہ جب وہ اس کی طرح ربوبیت کی صفت اپنے اندر پیدا کرے یعنی انسان پہلے مجازی رب بنے تب اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تقویٰ ڈالے گا۔

اب میں ربوبیت کے معنے بیان کرتا ہوں۔ ربوبیت کے معنے یہ ہیں کہ انسان دوسروں کی بھلائی اور تربیت میں لگ جائے اپنی زندگی کو اپنے نفس کی بھلائی کے لئے نہ سمجھے بلکہ مخلوق کی ہمدردی میں اپنی زندگی کو لگا دے۔ جب یہ ایسے کاموں میں لگ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسکی حفاظت

کرے گا۔ اگر کوئی غلطی بھی اس سے سرزد ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کا محافظ رہے گا کیونکہ وہ بچہ کی طرح ہو گا جس کی حفاظت اس کی ماں کرتی ہے۔

دوسرا ذریعہ تقویٰ کے حصول کا

یہ ہے کہ انسان دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرے۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اسے وہ کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اور محبت پیدا کرنے کا طریق یہ ہے کہ روزانہ کچھ وقت اس کی صفات پر غور کرے۔ جب روزانہ اس کی صفات پر غور کر کے اپنے اندر محبت پیدا کرے گا تو کوئی چیز اس محبت کو مٹا نہیں سکے گی۔ پس روزانہ ایک وقت اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرو۔ یہ سوچو کہ تمہارے ساتھ اس کی کونسی صفات تعلق رکھتی ہیں اور کس رنگ میں اور کس قدر ان کا فیضان تم کو پہنچ رہا ہے۔ پھر اس کے انعامات پر نظر ڈالو ان کو اپنے سامنے لاؤ تب ایک محبت کا دریا تمہارے دلوں میں موجزن ہو جائے گا۔ مشکلات اور مصائب بھی نعمت ہوا کرتے ہیں مثلاً موت ہی کو لے لو۔ یہ بڑی مصیبت خیال کی جاتی ہے لیکن خیال کرو اگر یہ موت دنیا میں نہ ہوتی اور کوئی نہ مرتا۔ تو آج زمین پر آدمی ایک دوسرے کے ساتھ پھنسے ہوئے ہوتے اور یہاں چلنے کی بھی جگہ نہ ملتی۔ اور اس قدر مصیبت ہوتی کہ اگر دو چار صدیاں بھی موت دنیا سے اُٹھالی جاتی تو سب سے بڑی دُعا لوگ موت کے لئے مانگتے۔ اگر غور کرو تو ذرہ ذرہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نظر آتی ہے۔ غرض جب اللہ تعالیٰ کی صفات اور انعامات پر روزانہ کچھ وقت لگا کر غور کرو گے تو پھر تھوڑے عرصہ بعد ہی دیکھو گے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی محبت چشمہ کی طرح پھوٹتی ہے۔

تیسرا ذریعہ حصول تقویٰ کا ذکر الٰہی

ہے۔ جس طرح مَیں نے بتایا ہے کہ روزانہ ایک خاص وقت میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور انعامات پر غور کیا کرو۔ اسی طرح مَیں یہ بتاتا ہوں کہ ذکر الٰہی کے لئے روزانہ ایک وقت نکالو۔ ہماری جماعت کے لوگ ذکر الٰہی سے بہت غافل ہیں۔ روزانہ خاص وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا خود اپنی ذات میں بہت بڑی نعمت ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ذکر الٰہی دل کے شیشہ کو جِلا کرنا ہے۔ اس کو صیقل کرنا ہے۔ نماز تو انسان کو غذا کی طرح ہے اور ذکر الٰہی صیقل کرنا ہے۔ مسنون ذکر تحمید، تہلیل، تسبیح ہے۔ ذکر الٰہی ایک رنگ میں خدا کے حسن کو دیکھنا ہے اس لئے جو لوگ ذکر الٰہی کریں گے وہ ضرور اپنے دل میں نیا جوش اور نئی محبت اور ایک صیقل اپنے اندر محسوس کریں گے۔ غلطی سے ہماری جماعت کے لوگ سمجھتے کہ ذکر ہوتا ہی نہیں اس لئے عام طور پر دوست ذکر کے عادی

نہیں۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں غیر احمدیوں میں ذکر کا غلط طریق چلا آتا ہے۔ انہوں نے چند کلمے بنائے ہوئے ہیں جنہیں وہ رٹتے رہے ہیں اس کے لئے کچھ سانس بھی مقرر ہوتے ہیں۔ یہ تمام فضول طریق ہیں جن سے روحانیت اور بھی خراب ہو جاتی ہے۔ بھلا بتاؤ جب بھائی کا ذکر کرتے ہو تو خاص قسم کا سانس لیا کرتے ہو۔ تو کیا اللہ تعالیٰ ہی ایسا ہے کہ جس کے ذکر کے لئے خاص سانسوں اور خاص آوازوں کی ضرورت ہے۔ یہ طریق نہایت مکروہ اور روحانیت کو برباد کر دینے والے ہیں یہ تو مسمریزم کی طرح ہیں اور مسمریزم کوئی ذکر نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان طریقوں کو ناپسند ہے کرتے تھے۔ اور تجربہ بھی بتاتا ہے کہ روحانیت کے لئے یہ خطرناک طریق ہیں۔ جو شخص ان طریقوں سے ذکر کرے گا اس کی روحانیت ماری جائے گی۔ وہ بندر کی طرح ہو جائے گا۔ اس کی ذاتی قابلیت جاتی رہے گی۔ وہ ایک نقال بندر ہو گا جس کی ایک رسّی ہو گی کہ جس کے ذریعہ اس کا مُردہ پیر اُسے نچارہا ہو گا۔ اور مَیں تجربوں کے ساتھ ان طریقوں کے نقصانات دکھا سکتا ہوں۔ یہ نہ سمجھو کہ مجھے وہ طریق آتے نہیں۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کوئی موجودہ پیر میرے سامنے لے آؤ۔ وہ جو بھی طریق اختیار کرے اور ادھر مَیں بھی ایسا طریق اختیار کروں گا کہ اس سے نصف وقت میں میری طرف کے شخص پر وہ حالت طاری ہو جائے گی جو وہ طاری کیا کرتے ہیں۔ مجھے تو کبھی سمجھ نہیں کہ بھلا سانس کا ذکر الٰہی سے کیا تعلق۔ ان پیروں کے اذکار کا تو ایسا معاملہ ہے جیسا کہ افیون کھانے والوں کا ہوتا ہے۔ ایک دوست نے جو احمدی ہونے سے پہلے بھنگ کے عادی تھے۔ بتایا کہ جب میں نے بھنگ پی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میں عرش پر پہنچ گیا ہوں اور تمام زمانہ میرے قابو میں آگیا ہے اور دنیا میرے قبضہ میں ہے۔ غرض ان چیزوں کے ذریعہ دماغی قوتوں کو مار دیا جاتا ہے۔ اور اس طریق سے یقیناً ایک بڑا طبقہ مجنون ہو جاتا ہے۔ حقیقی ذکر وہ ہے کہ جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کو دل میں داخل کرے۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی قوتیں رکھی ہیں۔ ایک قوت حواس ظاہری کی ہے اور ایک قوت ارادی ہے۔ ان دونوں قوتوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ جب اعصاب کمزور ہو جائیں تو قوت ارادی کمزور ہو جاتی ہے۔ اور تجربہ بتاتا ہے کہ ان سانسوں سے دماغی اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور چند دن کے اندر ایسا انسان دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے بہترین طریق عرفان رکھا ہے۔ لیکن اس کے خلاف دوسرے لوگوں کو دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ دل سے آوازیں اُٹھتی ہیں حالانکہ یہی تو جنون ہے۔ کیا کبھی دل سے بھی آوازیں آیا کرتی ہیں۔ آواز تو دماغ کے ذریعہ انسان کو پہنچتی

ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے دل کو اپنے انوار کا مہبط بنایا ہے۔ مگر دل بولا تو نہیں کرتا اور نہ دل دیکھا کرتا ہے۔ کسی بات کو محسوس کرنا، یہ دماغ کا کام ہے۔ اور درحقیقت آنکھیں نہیں دیکھتیں بلکہ دماغ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ دماغ میں ایسی قوت اور اعصاب اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں کہ جن کے ذریعہ آنکھ دیکھتی ہے ورنہ اگر وہ حصہ کاٹ دیں تو آنکھ خواہ سلامت بھی ہو تو نہیں دیکھ سکتی۔

چوتھا ذریعہ حصول تقویٰ

کا دُعا ہے۔ تقویٰ کے حصول کے ذرائع میں سے دُعا بھی ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ دُعاؤں کی عادت ڈالنے سے بھی تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ دُعاؤں پر بہت زور دیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ نئے لوگوں میں دُعاؤں کے لئے وہ جذبہ اور جوش نہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کے لوگوں میں ہے۔ مَیں ان دوستوں کو خصوصیت کے ساتھ دُعاؤں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے حضور دُعائیں بڑی عجیب چیز ہیں اور بہت بڑا اثر رکھتی ہیں۔

لیکن مَیں اس موقع پر دُعا کے متعلق چند غلطیوں کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ دُعا کے متعلق لوگوں کو چار غلطیاں لگی ہیں۔ ایک غلطی تو یہ ہے کہ دُعاؤں میں کوئی اثر نہیں کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ دُعا کے بغیر بھی تو کام ہو رہے ہیں اور بعض کام باوجود دُعا کے نہیں ہوتے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ دُعا میں توجہ نہیں پیدا ہوتی۔ دُعا کریں تو کیونکر۔

پہلی غلطی کا ازالہ تو یہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ دُعا کی غرض کیا ہوتی ہے۔ اس کا اصلی مقصد کیا ہے۔ اگر تو دُعا کا صرف یہ مقصد ہے کہ جو کچھ مانگا جائے وہی ضرور مل جائے تب تو اس مقصد کے پورا نہ ہونے کی صورت میں واقعی ظلم ہے۔ بے شک اگر یہی مقصد دُعا کا ہے تب یہ مقصد ضرور پورا ہونا چاہئے اگر پورا نہ ہو تو ظلم خیال کیا جائے گا لیکن ہم کہتے ہیں کہ دُعا کا یہی حقیقی مقصد نہیں کہ جو چیز مانگی جائے وہی ضرور مل جائے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر دُعا کا یہی حقیقی مقصد ٹھہرایا جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ دنیا میں انسان کوئی کام نہ کرے انسان یہ دعا کرے گا کہ بغیر اس کے کچھ کرنے کے اس کے کام خود بخود ہو جائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دُعا کے ساتھ انسان کو کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ دُعا کی قبولیت کے لئے اور بھی شرائط ہیں جو پوری کرنی چاہئیں۔ اب دیکھو۔ طبیب ایک بیمار کو کہتا ہے کہ تم یہ دوائی استعمال کرو لیکن اس کے ساتھ اچھی غذا بھی استعمال کرو فلاں غذا سے پرہیز کرو اور کھلی ہوا میں رہو۔ وہ شخص ان چار باتوں میں سے ایک بات پر عمل کرے اور باقی تین پر عمل نہ کرے اور تندرست نہ ہو تو وہ آکر کہے کہ میں تو تندرست نہیں

ہوا۔ اور طبیب کے علاج کو ناقص کہے تو یہ شخص غلطی پر ہو گا کیونکہ طبیب نے علاج کے ساتھ کچھ شرائط بتائی تھیں جن کے پورا نہ کرنے کی وجہ سے اِسے صحت نہیں ہوئی۔ پھر کہتے ہیں کہ جب بعض دفعہ تمام شرائط کے پورے کرنے کے باوجود لوگ مرجاتے ہیں تو کیا لوگ علاج چھوڑ دیا کرتے ہیں یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دعاؤں میں اثر نہیں اسی طرح باوجود بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے بھی دُعاؤں کے اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ دُعا کی وہ حقیقی غرض نہیں جو عام طور پر خیال کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ بس جو کچھ مانگا جائے وہ ضرور مل جائے۔ بلکہ حقیقی غرض دُعا کی ایمان اور تزکیہ نفس کا پیدا کرنا ہے۔ دُعا کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان حاصل ہو اور اس کے دل میں صفائی اور پاکیزگی پیدا ہو اور یہی غرض پیدائش انسانی کی ہے جو کئی ذرائع سے پوری کی جاتی ہے۔ ان میں سے ابتلاء اور مشکلات بھی ہیں۔ اس دنیا میں انسان کی پیدائش کی حقیقی غرض پوری کرنے کے لئے مختلف طریقوں سے اسے تیار کیا جاتا ہے۔ تیاری کے اسباب میں ابتلاء بھی داخل ہیں۔ غرض ابتلاء بھی انسان کی زندگی کا مدعا پورا کرنے کے لئے یعنی اس کے تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہیں۔ اب اگر اس کی ہر منہ مانگی چیز اسے مل جائے یا ہر دُعا اس کی منظور ہو جائے تو وہ ابتلاء پھر کس پر آئیں گے اور اس کا مدعا کیسے پورا ہو گا۔ اور ابتلاء کس چیز کا نام ہے۔ یہی ہے نا مثلاً بیماری، موت، لڑائی، بڑے لوگوں کا ظلم، ماتحتوں کی بغاوت، افلاس، غربت، اور انہی چیزوں کے لئے انسان دُعا کرتا ہے۔ انسان دُعا کرتا ہے یا اللہ! میری فلاں مصیبت دور ہو جائے یا بیماری دُور ہو جائے۔ فلاں ضرورت پوری ہو۔ فلاں مال مل جائے یا فلاں رشتہ دار بچ جائے۔ اب اگر ساری کی ساری ہی دُعائیں قبول ہوں اور انسان پر کوئی ابتلاء نہ آئے تو کیا اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ مثلاً نہ تو کوئی بیمار ہو اور نہ ہی کسی پر موت آئے اور پھر کیا سارے انعامات لیتے ہوئے بھی یہ کبھی کہے گا کہ یا اللہ! میرے دل کی صفائی بھی ہو۔ تو اصل بات یہ ہے کہ اصل غرض تو صفائی قلب ہے جو ابتلاء کے ذریعہ ہوتی ہے۔ پیدائش انسانی کی غرض دل کی صفائی ہے جس کا ایک طریق ابتلاء بھی ہے۔ اس لئے اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض دُعائیں بظاہر قبول بھی نہیں ہوتیں اور ابتلاء اور مشکلات نہیں ٹلتے۔ دیکھو انبیاء پر سب سے بڑھ کر مصائب و مشکلات آتے ہیں۔ کیا وہ دُعائیں نہیں کرتے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ پر تمام انبیاء سے بڑھ کر مصائب آئے ہیں۔ [ے] لیکن باوجود اس کے جب وہ بھی دُعائیں مانگتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ دُعا کی صرف وہی غرض نہیں جو عام طور پر سمجھی گئی ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ دُعاؤں کا

کوئی اثر نہیں۔ نہ یہ درست ہے کہ ہر دُعا منظور کی جاتی ہے۔ بلکہ دُعاؤں کے اثرات حکمت اور دوسرے قوانین کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دُعاؤں میں بہت سے فوائد ہیں جن کی خاطر دُعا کا حکم ہے۔

پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ دُعا اللہ تعالیٰ کی تقدیر خاص کا بندہ کے منہ سے اقرار کرا لیتی ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات پر یقین دلاتی ہے کیونکہ انسان جب دُعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات پر قادر یقین کرتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت کو دور کر سکتا ہے یا اس کی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے تو اس طرح بندہ کو خدا تعالیٰ کی تقدیر خاص پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور اگر اس کی ایک دُعا بھی قبول ہوتی ہے تو وہ اس کے دل میں یہ یقین پیدا کرتی ہے کہ اس کا خدا وہ خدا ہے جو اس کے لئے اپنے قانون کو بھی بدل سکتا ہے۔

دوسرا فائدہ دعا کا یہ ہے کہ انسان جب دُعا کرتا ہے تو اس وقت اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے قریب ہے اور میری آواز کو سنتا ہے۔ دُعا کی اصل غرض یہ نہیں کہ اس کی عارضی ضروریات ہی پوری ہوں بلکہ اس کی اغراض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچا جائے اور اس کو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔ اس کو یہ یقین ہو اور اقرار بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہے۔ چنانچہ اس غرض کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس طرح بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ [۵] کہ جب بندہ میرے حضور دُعا کرتا ہے تو میں اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اس کی آواز کو سنتا ہوں۔ پس دُعا کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے قرب کا مقام حاصل ہو اور وہ اسے اپنی گود میں لے لے۔ جس طرح ایک بچہ جس کو دوائی پلائی جا رہی ہو یا اس کا آپریشن ہو رہا ہو تو وہ ہائے ہائے کرتا ہے۔ اس کے والدین گو اسے اس موجودہ تکلیف سے تو نہیں چھڑا سکتے مگر اسے اپنی گود میں لے لیتے ہیں جس سے بچہ کو تسلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ اگر دُعا کسی وجہ سے نہ بھی قبول کرے تو بھی اسے اپنی گود میں لے لیتا ہے۔

تیسرا فائدہ دعا کا یہ ہے کہ انسان کی دُعا اس کی حسنات میں لکھی جاتی ہے۔ دراصل انسان کے اعمال کے دو نتیجے ہوتے ہیں۔ ہر کام کے دو نتیجے نکلتے ہیں۔ ایک نتائج فوری ظاہر ہوتے ہیں اور ایک نتائج آئندہ زمانہ میں جمع ہو کر نکلتے ہیں۔ مثلاً انسان ہاتھ کو حرکت دیتا ہے۔ اس حرکت کا ایک تو فوری نتیجہ نکلے گا اور ایک نتیجہ آئندہ زمانہ میں نکلے گا جب ہاتھ کو متواتر

باقاعدگی کے ساتھ حرکت دیتا رہے گا۔ اس متواتر اور باقاعدہ حرکت دینے کا آئندہ زمانہ میں یہ نتیجہ نکلے گا کہ اس کا ہاتھ مضبوط ہو جائے گا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اب انسان کی اصل غرض تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ہلاک نہ ہو جائے۔ عارضی تکلیف مدنظر نہیں ہوتی۔ عقلمند آدمی عارضی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتا۔ مثلاً اس وقت آپ لوگ سردی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ سردی کی عارضی تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ اسی طرح طالب علم، علم حاصل کرنے کے لئے راتوں کو جاگتا ہے محنت کرتا ہے۔ وہ اس تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ اس کے نتیجہ میں آرام اور عزت کا لمبا زمانہ حاصل ہو گا اور لمبی تکالیف سے بچ جائے گا۔ عارضی تکلیف لمبی تکلیف کے مقابلہ میں تکلیف ہی نہیں خیال کی جاتی۔

پس دُعا کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ اس دنیا میں انسان کے اندر اگلے جہان میں کام کرنے کے لئے قابلیت پیدا ہو جائے۔ گو یہاں اس کی دُعائیں قبول نہ ہوں لیکن وہ اگلے جہان میں کام آنے والی حسنات کے ہی کھاتہ میں درج کی جاتی ہیں۔ تو دُعا کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کو اور انعامات کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔

چوتھا فائدہ دعا کا یہ ہے کہ دُعا اللہ تعالیٰ پر توکّل کا نشان ہے کیونکہ بندہ دُعا کے وقت اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور یہ اقرار کرتا ہے کہ تُو ہی قادر و توانا ہے۔

خدا کے فضل کے ہم کبھی امیدوار نہیں ہو سکتے جب تک اس کے حضور اقرار نہ کریں کہ تو طاقتور ہے اور ہم کمزور ہیں۔ یہ توکّل کا مقام ہے جو بغیر دعا کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

پانچواں فائدہ دعا کا یہ ہے کہ دُعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یقینی نمونے ہمیں ملتے ہیں۔ مَیں نے اپنی ذات میں کئی مشاہدے کئے ہیں۔ ایک دفعہ ایک دوست نے مجھے مجملاً ایک مصیبت کی اطلاع دی اور دُعا کے لئے کہا۔ مجھے اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ فلاں مصیبت ہے اور حالات نہیں لکھے تھے۔ ان دنوں ان کی ہمشیرہ بھی بیمار رہتی تھیں اس لئے میں نے خیال کیا کہ ان کی ہمشیرہ زیادہ بیمار ہو گی۔ میں نے دُعائیں کیں تو مجھے رؤیا میں معلوم ہوا کہ کوئی کہتا ہے کہ قانونی غلطی کی وجہ سے تمام حقوق ضائع ہو گئے اور گورنمنٹ کی گرفت کے نیچے آ گئے لیکن اگر وہ توکّل کریں گے اور گھبرائیں گے نہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ان معاملات کو بالکل اُلٹ دے گا اور اُن کے حق میں بہتر حالات پیدا کر دے گا۔ میں نے ان کو یہی لکھ دیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ قریب تھا کہ واقعہ میں ان کے حقوق ضائع ہو جائیں اور گرفت کے

نیچے آئیں۔ میری طرف انہوں نے لکھا کہ اس قسم کے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ مجھے خطرہ ہے کہ میرے پہلے تمام حقوق تباہ ہو جائیں۔ میں نے انہیں لکھا کہ آپ توکل کریں اور گھبرائیں نہیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہؤا کہ باوجود اس کے کہ ان کے مدمقابل انگریز تھا یہ حالات بالکل بدل گئے حتیٰ کہ اس انگریز نے میری طرف لکھا کہ مجھے مصیبت سے بچایئے۔ جب ہم روزانہ دُعاؤں کی قبولیت کے نمونوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم کیسے ان کے اثرات سے انکار کریں۔

چھٹا فائدہ دعا کا یہ ہے کہ اس سے دل میں قوت اور طاقت پیدا ہوتی ہے اور بزدلی دور ہوتی ہے کیونکہ بزدلی مایوسی سے پیدا ہوتی ہے لیکن دُعا کرنے والا مایوس نہیں ہوتا۔ جو شخص دُعا کرے گا اللہ کے حضور یہ یقین لے کر جائے گا کہ خدا ہے اور وہ میری مدد یا حاجت روائی کر سکتا ہے اس سے اس کے دل میں تسلی ہوگی جس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ وہ جزع فزع سے محفوظ رہے گا اور دوسرے سامان بھی کام کے لئے مہیا کرے گا۔

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ بعض وقت دُعا کا قبول نہ ہونا ہی اس کا قبول ہونا ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جن کو انسان مفید سمجھتا ہے لیکن وہ مُضِر ہوتی ہیں۔ اس لئے بعض دفعہ دُعا کا قبول نہ کرنا ہی انسان کے لئے رحمت ہوتا ہے۔

آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ جس جگہ پر تدابیر رہ جاتی ہیں وہاں دُعا کام کرتی ہے۔ جب تدابیر اور ظاہری اسباب کا سِلسِلہ منقطع نظر آتا ہے اس وقت دُعا اپنا اثر دکھاتی ہے۔ میرے ساتھ بیسیوں دفعہ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ جن میں تمام دنیوی سامان کٹ گئے اس وقت دُعا کے بعد میرے خدا نے میری دُعا سنی اور نہ صرف دُعا سنی بلکہ بشارت دی۔

نواں فائدہ دعا کا یہ ہے کہ دُعا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ہوتی ہے دُعا مانگنے کے بعد جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر زیادہ ثبوت ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ ہی آپ کوئی کام ہو جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دعا توجہ سے ہوتی ہے اور توجہ خود اثر پیدا کرتی ہے تو کیوں نہ کہیں کہ جو کام ہؤا ہے وہ توجہ کے اثر کا نتیجہ ہے۔ بے شک یہ اہم سوال ہے جس کا میں یہ جواب دیتا ہوں کہ علم النفس کے ماہر یہ کہتے ہیں کہ توجہ اس وقت اثر کرتی ہے جب ذہن میں یہ لایا جائے کہ ہر بات یوں ہو گئی۔ توجہ کے لئے یہ سکھاتے ہیں کہ تم ذہن میں یہ خیال رکھو کہ یہ بات یوں ہو گئی۔ لیکن یہاں تو اس کے اُلٹ دُعا کرنے والا یہ ذہن میں پیدا کرتا ہے کہ یا اللہ! میں کچھ نہیں ہوں مجھ سے یہ کام ناممکن ہے تو ہی یہ کام کر سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ

توجہ کا اثر جاندار چیزوں پر ہوتا ہے بے جان پر نہیں ہوتا۔ لیکن دُعا میں تو ایسا رنگ پیدا ہوتا ہے کہ جس کا اثر دنیا پر جا کر پڑتا ہے۔ دُعا خالی انسان پر ہی اثر نہیں کرتی بلکہ وہ طبیعات میں بھی تبدیلیاں پیدا کر دیتی ہے۔ انسان یہ توجہ کر سکتا ہے کہ فلاں شخص میرا دوست ہو جائے لیکن یہ توجہ نہیں کر سکتا کہ کھیت سرسبز ہو جائے یا بارش ہو جائے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ کہاں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ صرف دُعا ہی ایک ذریعہ ہے جس سے کام ہوتے ہیں بغیر اس کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور بھی تو اس کے قوانین ہیں۔ بغیر دُعا کے جو کام ہو جاتے ہیں ان کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی کو کہیں سے گری ہوئی چیز مل جائے تو دوسرا ہمیشہ کے لئے یہی قانون سمجھ لے کہ اس کا کام بھی بیٹھے بٹھائے ہو جائے گا۔ یہ اتفاقی باتیں ہوتی ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ تم اپنے مصائب کو دور کرنے یا ضروریات کے پورا کرنے کے لئے دُعا کرو تو اس سے یہ تو ہمارا مطلب نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ دُعا کے بغیر اور کسی طرح بھی رحم نہیں کرتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رحم کے لئے دو قسم کے قانون رکھے ہوئے ہیں ایک قانون دُعا ہے اور ایک عام قانون قدرت ہے۔ پھر اصل سوال تو یہ ہے کہ وہ کام جو دُعا سے ہوا ہے آیا وہ بغیر دُعا کے ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ وہ کام دُعا کے بغیر واقعی نہیں ہو سکتا۔

پھر توکّل کا یہ مفہوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہی دُعا کو سن لے گا بلکہ یہ مفہوم ہے کہ خدا ایسا کر سکتا ہے۔ میں اس کے رحم پر اُمید رکھتا ہوں کہ وہ میری دُعا کو سن لے گا۔ پس دُعا کی یہ اہمیت ایسی ہے کہ اس کے بغیر دُعا، دُعا ہی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے برہمو لوگ بھی دُعا کرتے ہیں حالانکہ وہ قبولیت کے معتقد نہیں۔ اور میرے نزدیک بھی اگر ہماری ضروریات ہمیں مجبور نہ کریں تو دنیا کے متعلق نامنظور ہونے والی دُعا منظور ہونے والی دُعا سے بڑھ کر ہمارے لئے نتیجہ خیز ہے کیونکہ ایک تو وہ عبادت میں شمار ہوگی جو ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے اور دوسرے اس کے عوض میں آخرت میں درجہ ملے گا اور ہمیں زیادہ حسنات ملیں گی۔ ہمیں عقلاً بھی یہ دیکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کوئی بچہ تو نہیں کہ وہ ہماری دُعا سے بہل جاتا ہے اور ہماری ہر بات منظور کر لینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ یہ غلط خیال ہے جس میں عام مسلمان گرفتار ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ ایسا ہی ہے تو وہ ہمارے ماتحت ہوا نہ کہ بادشاہ۔ ہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض دُعاؤں میں اثر بھی ہوتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ کوئی خاص منتر ہیں یا خاص لفظ ہیں بلکہ وہ دُعائیں اس لئے اپنا اثر دکھاتی ہیں کہ اس میں دُعا کا وہ مغز ہوتا ہے جس سے انسان پر وہ حالت طاری ہو جاتی ہے جو دُعا میں ہونی چاہئے۔ جیسا کہ سورۃ

فاتحہ جامع اور پُر مغز دُعا ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ دُعا میں توجہ نہیں ہوتی۔ دُعا میں توجہ کس طرح پیدا کی جائے۔ اس کا یہی جواب ہے کہ جس کام کو کرنا چاہتے ہو اس کے کرنے کا یہی طریق ہے کہ اسے کرنا شروع کر دو۔ کچھ مدت بعد اس کے کرنے کے لئے خود بخود شوق پیدا ہو جائے گا۔ جو شخص دُعا کرنی شروع کر دے گا اس کے اندر دعا نہ کرنے کی نسبت آہستہ آہستہ ضرور توجہ پیدا ہو جائے گی اور پھر کسی وقت وہ خاص حالت بھی اس پر طاری ہو جائے گی جو دُعا کے وقت پیدا ہونی چاہئے

ہاں بعض دفعہ دل کے زنگ خوردہ ہونے کی وجہ سے بھی دعا میں توجہ نہیں پیدا ہوتی۔ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ دعا سے پہلے استغفار کرے کہ اے خدا! جو گناہ مجھے معلوم ہیں وہ بھی اور جو نہیں معلوم وہ بھی معاف کر دے اور اس رتی سے مجھے علیحدہ نہ کر جو تیرے اور تیرے بندوں کے درمیان ہے۔ کبھی صحت کی کمزوری کی وجہ سے بھی توجہ نہیں پیدا ہوتی۔ اس کے لئے صحت کی درستی کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ مَیں پھر دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ دعاؤں پر خاص زور دو اور خشوع کے ساتھ باجماعت نمازیں ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو اس کے دین کی خدمت کر کے راضی کرو۔ آپ لوگوں کا اصل کام دین کا پھیلانا ہے۔ بچوں کی طرح وقت ضائع مت کرو۔ باہمی جھگڑوں اور فسادوں کو ترک کر دو اور موت کو یاد رکھو کہ جو ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ بڑے بڑے طبیب اور ڈاکٹر موت سے نہیں بچ سکتے تو اور کون بچ سکتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ موت کے آنے سے پہلے پہلے خدا تعالیٰ سے صلح کر لو۔ بہت ہیں جو نیک ہونے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن کیا کوئی کام صرف خواہش سے ہی ہوا کرتا ہے۔ لیٹے رہنے سے تو کامیابیاں نہیں ملا کرتیں بلکہ بڑی جدوجہد کے بعد جا کر کامیابیاں حاصل ہوا کرتی ہیں۔ تو کیا نیکی ہی ایسی چیز ہے جو صرف خواہش سے حاصل ہونی چاہئے۔ لوگ ایک سست اور کاہل کا واقعہ مثال کے طور پر بیان کیا کرتے ہیں کہ وہ ایک دور سے گزرنے والے سپاہی کو کہنے لگا کہ دیکھو لوگ کتنے سست اور کاہل ہیں کہ میری چھاتی سے بیر بھی اٹھا کر میرے منہ میں نہیں ڈالتے۔ اس پر سپاہی نے اس کو ملامت کرنی شروع کی۔ ساتھ والا آدمی بول پڑا ہاں صاحب یہ ایسا سست و کاہل ہے کہ آج ہی کا واقعہ ہے کہ تمام رات کتا میرا منہ چاٹتا رہا اور اس نے اسے ہٹایا تک نہیں۔ اس مثال کے بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ صرف کسی کام کی خواہش سے وہ کام نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے لئے ہمت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص نیک بننے کے لئے صحیح اور پوری کوشش کرے خدا تعالیٰ اسے ضائع ہونے

دے۔ آخر وہ رحم کرنے والا اور فضل کرنے والا ہے۔ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کر دے۔ پس پورے جوش اور پوری ہمت کے ساتھ تقویٰ پر نہ صرف خود قائم ہو جاؤ بلکہ اسے دنیا میں قائم کرو اور دین کی نصرت کے لئے ایک دوسرے کی مدد کرو، مل کر کام کرو، ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے پیش آؤ، ہر بھائی کے ساتھ محبت کا سلوک کرو۔ جھگڑوں کو چھوڑ دو اور مصیبتوں میں ایک دوسرے کے کام آؤ۔ بعض وقت دیکھا ہے کہ ایک بھائی کے جنازہ پر لوگ نہیں جاسکتے لیکن جب ہم نے ایک بھائی کے جنازہ کے لئے کام کو نہیں چھوڑا تو ہمارا کہاں حق ہو سکتا ہے کہ ہمارے مرنے پر دوسرے لوگ اپنے کاموں کو چھوڑیں۔ پس آپس میں ہمدردی اور محبت سے کام کرو۔ ابھی ہماری جماعت میں ہمدردی اور تعاون باہمی کا مادہ کم ہے جس سے بعض وقت دوستوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ مَیں نے سنا ہے کہ بعض موقع پر میت کے ساتھ ایک بھی آدمی (سوائے اس کے رشتہ داروں کے) نہیں گیا اور لوگ عدم فرصتی کا عُذر کرتے ہیں۔ یہ عُذر صحیح نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلے سال عین جلسہ کے موقع پر ہی ایک جنازہ خود پڑھایا حالانکہ جلسہ پر مجھے کام بھی بہت تھا اور لیکچر بھی دینا تھا۔ دنیا میں کبھی محبت اور ہمدردی بغیر ایثار کے نہیں ہوا کرتی۔ پس ہمیں وقت اور مال کی قربانی کرکے آپس میں صلح و آشتی پیدا کرنی چاہئے اور اپنے اندر زندگی کی روح پیدا کرنی چاہئے۔

(الفضل ۱۱، ۱۴، ۱۸، ۲۱ جنوری ۱۹۲۷ء)

تیسرا دن

خطاب حضرت فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی

(فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء)

بیش قیمت وقت کو ضائع مت کرو

میں اپنی اصل تقریر شروع کرنے سے پہلے چند امور کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اول تو یہ کہ میں ان دوستوں کو جو یہاں کر بھی اس جلسہ کے موقع پر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور تقریروں کے سننے میں پورا حصہ نہیں لیتے ملامت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کل اپنی تقریر کے آخری حصہ میں دیکھا کہ دو ہزار کے قریب دوست قریباً ساڑھے پانچ بجے جلسہ گاہ سے اٹھ کر گئے اور ساڑھے سات بجے تک ان کو واپس آنے کی توفیق نہیں ہوئی جو نہایت قابل افسوس بات ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لمبی دیر تک بیٹھنا گراں ہوتا ہے اور انسان دیر تک بیٹھنے سے اُکتا جاتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دیر تک بولنا اس سے بھی بہت زیادہ مشکل کام ہے۔ پھر اگر ایک شخص باوجود صحت کے نہایت کمزور ہونے اور اس عضو کے ماؤف ہونے کے جس پر کام کا دارومدار ہے متواتر چھ گھنٹے تک بول سکتا ہے تو میں ہرگز یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ دوسرا آدمی اس سے زیادہ دیر تک سننے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا۔ آخر سامنے گیلریوں پر بیٹھنے والے اور سٹیج پر بیٹھنے والے بھی تو شروع سے آخر تک اطمینان سے تقریر سنتے رہے حالانکہ سٹیج پر بیٹھنے والے بوجہ جگہ کی تنگی کے بہت تنگی سے بیٹھے ہوتے ہیں لیکن بعض دوست جو بینچوں پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ شاید وہ بینچوں پر بیٹھنا اسی لئے پسند کرتے ہیں کہ اپنی مرضی سے درمیان میں چلے جایا کریں اور اپنے وقت کو ضائع کریں۔ میں اس بات کو نہیں سمجھ سکتا کہ جو شخص اپنے وقت اور مال کو خرچ

کر کے یہاں آتا ہے وہ اپنے نفس پر کیونکر جبر نہیں کر سکتا اور کس طرح وہ اپنے وقت کو چائے کی دکانوں اور باہر فضول پھرنے پر ضائع کر دیتا ہے۔ اگر چائے پر ہی وقت خرچ کرنا تھا تو وہ یہاں کی نسبت ان کے گھروں میں یا بڑے شہروں کے ہوٹلوں میں بہت اچھی مل سکتی تھی اور اگر یہاں ان کے آنے کی غرض سیر و تفریح تھی تو بہتر تھا کہ بجائے یہاں آنے کے بڑے بڑے شہروں کی سیر گاہوں میں جاتے۔ وہ دہلی چلے جاتے اور وہاں وائسرائے کے مکانوں، بادشاہی عمارتوں کو دیکھتے یا لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر سیر کرتے۔ پھر لارنس گارڈن (باغ جناح) میں تفریح حاصل کرتے اور جب چائے کی خواہش ہوتی تو لورینگ (قبل از تقسیم ہند لاہور کا ایک معروف ریستوران) میں جا کر پی لیتے۔ لیکن یہاں آنے کی غرض تو خدا کی باتیں سننا ہے۔ اگر یہ غرض مدنظر نہیں تو پھر یہاں آنا بے فائدہ ہے۔ ہاں حاجات بھی انسان کے ساتھ بے شک لگی ہوئی ہیں اور ان کا پورا کرنا بہرحال ضروری ہے۔ حاجت کو روک کر تو نماز بھی جائز نہیں لیکن جب انسان کسی حاجت کی قضاء کے لئے جائے تو وہ حاجت پوری کر کے واپس بھی آ سکتا ہے۔ جو دوست واپس نہیں آتے میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا خدا کے کلام سے اتنا ہی متاثر ہونا چاہئے کہ پیشاب کے لئے گئے تو واپس آنا ہی بھول گئے۔ جب ابھی یہاں ہی تمہارے اندر اثر کی یہ حالت ہے تو گھر پہنچنے پر تو بالکل ہی اثر جاتا رہے گا اور سب باتوں کو فراموش کر دو گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پانسو کے قریب غیر احمدی دوست بھی آئے ہوئے ہیں اور تین سَو کے قریب دوسرے لوگ ہوں گے لیکن کل جلسہ گاہ سے اٹھنے والے دوست زیادہ تر احمدی ہی تھے۔ پس آج اپنی اصل تقریر شروع کرنے سے پہلے دوستوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ اگر وہ آرام اور اطمینان سے میری تقریر کو سننا چاہتے ہیں تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر درمیان میں بغیر حاجت کے اٹھ کر جانا ہے تو بجائے اس وقت اٹھ کر جانے اور خلل اندازی کے ابھی ہی چلے جائیں تاکہ درمیان میں ان کے اٹھنے سے سامعین کو توجہ میں خلل نہ واقع ہو اور نہ ان کا وقت ضائع ہو۔ اس کے بعد میں چند ضروری متفرق امور کی طرف جو کل کی تقریر کا بقیہ ہیں آپ لوگوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

مِنہَاجُ الطَّالِبِیْنَ

پہلی قابل توجہ بات یہ ہے کہ مَیں نے پچھلے سال نفس اور اولاد کی اخلاقی اور روحانی تربیت پر تقریر کی تھی۔ میرے نزدیک وہ لیکچر اپنے نفس کی اور اپنی آئندہ نسلوں کی روحانی اور اخلاقی اعلیٰ درجہ کی تربیت کے متعلق نہایت ہی اہم اور مفید ترین معلومات پر مشتمل ہے۔ یہ لیکچر چھپ کر کتابی صورت میں تیار ہو چکا ہے۔ بکڈپو نے جو کہ

بعض دوستوں کے مشترکہ سرمایہ سے قائم کیا گیا ہے اس کتاب کو شائع کیا ہے۔ دوستوں کو چاہئے کہ اس کو خرید کر پڑھیں۔

حَقُّ الْیَقِیْن

اس سال اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک اور کتاب کے لکھنے کی توفیق فرمائی ہے اور وہ کتاب ہفوات المسلمین کا جواب ہے۔ ہفوات المسلمین ایک شیعہ نے لکھی ہے جس کے مضمون سے حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کی ازواج اور صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ کی ذات پر نہایت ناپاک حملے ہوتے ہیں اور ان کی اشاعت سے تمام ہندوستان میں اسلام کے خلاف خطرناک زہر پھیل رہا ہے۔ اور یوں کہنا چاہئے کہ اس نے ہندوستان میں ایک آگ لگا دی تھی۔ اسی وجہ سے گورنمنٹ نظام نے اس کو ضبط کر لیا تھا لیکن اس کا اور بھی اُلٹا اثر پڑا کہ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ فی الواقع مسلمانوں کے پاس اس کا کوئی جواب ہی نہیں تب ہی تو اس کو ضبط کیا جا رہا ہے۔ اخبار اہل حدیث میں بھی اس کے جوابات نکلنے شروع ہوئے تھے مگر چند سوالوں کا جواب دے کر خاموشی اختیار کر لی گئی جس سے کتاب نے اور بھی ناجائز فائدہ اٹھایا اور مشہور کر دیا کہ معلوم ہؤا کہ باقی مطالبات کا کوئی بھی جواب نہیں۔ اس لئے مَیں نے ضروری سمجھا کہ اس کا جواب لکھا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مَیں نے اس کے جواب میں کتاب حق الیقین لکھی ہے۔ یہ کتاب بھی ایسی معلومات پر مشتمل ہے جو علمی بھی ہیں اور جو اسلام سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ علاوہ اس کے مخالفین اسلام کے جوابات کے لئے نہایت مفید معلومات کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ علمی مباحثوں میں بھی کام آسکتی ہے اور اسلام کا مطالعہ کرنے کے لئے نہایت مفید ہے۔ احباب کو چاہئے کہ اس کو بھی بکثرت شائع کریں۔

اَلْوَاحُ الْھُدٰی

اِن کے علاوہ بعض اور دوستوں کی بھی کتابیں ہیں جو نہایت مفید اور ضروری ہیں۔ ایک کتاب الواح الہدیٰ بک ڈپو نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب قاضی اکمل صاحب کی مرتبہ ہے اور درحقیقت ریاض الصالحین کا ترجمہ ہے۔ ریاض الصالحین تربیت کے لحاظ سے ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اور بالخصوص بچوں کی تربیت میں بہت مفید ہے۔ اسی بناء پر میں نے بچوں کی انجمن انصار اللہ کے لئے جو سکیم بنائی اس میں ضروری قرار دیا گیا کہ ہر طالب علم کے پاس تین چیزیں ضروری ہونی چاہئیں۔ ایک قرآن شریف دوسرے کشتی نوح تیسری ریاض الصالحین۔ دوسری جگہوں پر اس کتاب کی قیمت بھی زیادہ ہے۔ غالباً ایک روپیہ ہے اور یوں بھی عربی میں ہے جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ اس لئے تجویز کی گئی ہے کہ کتاب کے بعض فقہی مسائل

کو حذف کر کے اس کا ترجمہ قادیان میں ہی چھپوالیا جائے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اس ضرورت کو پورا کر دیا اور اسکی قیمت بھی تھوڑی رکھی گئی ہے یعنی بارہ آنہ۔ یہ کتاب نہ صرف بچوں کی تربیت کے لئے ضروری ہے بلکہ بڑوں کی اخلاقی حالت کی اصلاح میں بھی بے نظیر ہے۔ اخلاق کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اقوال اور آیات کا یہ ایسا مجموعہ ہے کہ میرے خیال میں ایسا کوئی اور مجموعہ نہیں ہے۔ بہت ہی بے نظیر کتاب ہے۔ مجھے اتنی پسند ہے کہ میں کبھی سفر پر نہیں جاتا مگر اس کو ساتھ رکھتا ہوں۔ پہلے عربی میں تھی جس سے ہر شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اب ترجمہ کر دیا گیا ہے احباب کو چاہئے کہ اس بہترین مجموعہ کو ضرور خرید کر زیر مطالعہ رکھیں۔ یہ تینوں کتابیں بک ڈپو نے چھپوائی ہیں۔ وہاں سے ملیں گی۔

چشمۂ ہدایت

ایک اور کتاب چشمہ ہدایت ڈاکٹر نور محمد صاحب نے مختلف مذہبی مسائل پر تصنیف کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان نوجوانوں میں سے ہیں جو ضروری مشاغل کے باوجود دینیات میں مشغول رہتے ہیں۔ اکثر طور پر ان کو آریوں سے مباحثات کرنے پڑتے ہیں۔ ان کے زہر کے ازالہ کے لئے انہوں نے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ آریوں کے مسائل پر بہت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب بھی مفید معلومات کا ذخیرہ ہے۔ مَیں اس کی سفارش کرتا ہوں کہ احباب اس کو بھی خریدیں۔ قادیان میں ہر کتب فروش سے مل سکے گی۔

اَحکَامُ القُرآنِ

ایک اور ضروری کتاب احکام القرآن ہے۔ یہ کتاب ہمارے دوستوں کے لئے بہت مفید ہے کہ اس میں ہمیں قرآن کریم کے تمام اوامر و نواہی ایک خاص صورت میں معلوم ہو جاتے ہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے نشان کردہ ہیں۔ حکیم محمد الدین صاحب نے (جو حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے صحابی اور نہایت مخلص ہیں) قرآن پاک کے اوامر و نواہی کو جن پر حضرت مسیح موعودؑ نے نشان لگائے ہوئے تھے ایک جگہ کر کے اور با ترجمہ شائع کر دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ بہت ہی مفید کتاب ہے۔ اس مجموعہ کو پیش نظر رکھنے سے انسان کی بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خیال میں جو اوامر و نواہی تھے۔ ان پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہ کتاب پچھلے سال سے شائع ہو چکی ہے لیکن آج کل چونکہ لوگ چٹکلے پسند ہیں۔ جن کتابوں میں چٹکلے ہوں وہی زیادہ فروخت ہوتی ہیں اس لئے یہ کتاب فروخت نہیں ہوئی۔ اب تو انہوں نے اس کی قیمت بھی نصف کر دی ہے یعنی ۸ آنہ کر دی ہے۔ احباب کو چاہئے کہ اس کو بھی ضرور خرید کر فائدہ اٹھائیں۔

وصیتوں کے متعلق ہدایات

اس کے بعد میں دوستوں کو وصیت کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہوں۔ وصیت ہماری جماعت کے لئے نہایت اہم اور اصل چیز ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص وصیت نہیں کرتا اس کے ایمان میں نفاق کا حصہ ہے۔[9] پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ وصیت کی طرف خاص توجہ کریں۔ جماعت کا کثیر حصہ ابھی تک وصیتوں سے خالی ہے۔ اس وقت ہماری جماعت کی ترقی کے لئے مالی قربانیوں کی بہت ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ ہم مالی قربانیوں میں پورا حصہ لیں۔ چنانچہ ایک دوست نے خواب دیکھا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ہماری جماعت بے نظیر کامیابی اور ترقی دیکھنا چاہتی ہے تو ہر احمدی اپنے مال کا چوتھائی حصہ خدا کے دین کی اشاعت کے لئے قربان کرے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ میں اب سے ایسا ہی ادا کیا کروں گا۔

اہم کاموں کے لئے روپیہ کی ضرورت

یہ زمانہ ایسا ہے کہ نہایت اہم کاموں کی ضرورت پیش آ رہی ہے جس کے لئے روپیہ کی ضرورت بڑھ رہی ہے۔ مثلاً اب ہر ضلع میں ایک تربیت کرنے والے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اگر ہر ضلع میں ایک ایک مبلغ رکھا جائے تو صرف پنجاب اور سرحدی علاقہ کے لئے دس ہزار ماہوار خرچ کی ضرورت ہے اور اس رنگ میں تبلیغ کے بغیر جماعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ پس مالی قربانیوں کی طرف توجہ کی بہت ضرورت ہے۔

بے روزگاروں کو روزگار دلایا جائے

پھر ہماری جماعت میں بہت سے دوست بے روزگار بھی ہیں۔ ان کے لئے ایک جگہ کا اعلان اخبار میں ہو چکا ہے۔ وہاں کئی سو احمدی معقول روزگار پر لگ سکتے ہیں۔ اس کے لئے دوست چوہدری غلام احمد صاحب ایڈووکیٹ پاک پٹن سے مل سکتے ہیں اور مفصّل حالات دریافت کر سکتے ہیں۔

انتظام ضیافت

آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ کل رات ساڑھے بارہ بجے رات تک مہمانوں کو کھانا ملتا رہا ہے۔ مہمانوں کو جلدی کھانا کھلا دینا چاہئے۔ جب انہیں ساڑھے بارہ بجے کو کھانا ہی ملے گا تو انہیں ذکر کرنے کا کہاں موقع ملے گا اور دن کے وقت وہ تقریریں کیسے سن سکیں گے۔ اصل میں قادیان کی آبادی ابھی محدود ہے اور مہمان ہر سال پہلے سے زیادہ آتے ہیں اس لئے انتظام یہاں کے محدود دوستوں کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ میرے نزدیک

باہر کے دوستوں سے مشورہ کر کے ان میں سے باقاعدہ طور پر میزبان لئے جایا کریں جیسا کہ بعض دوست اب بھی کام میں شریک ہوتے ہیں مگر باقاعدہ طور پر کام لینے سے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور باہر کے دوستوں کو مدد کرنے میں کوئی عُذر نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک لحاظ سے ہم سب ہی میزبان ہیں اس لئے باہر کے دوستوں سے بھی اس موقع پر مدد لے لیا کریں۔

مسجد لندن کی اہمیت

آج مسجد لندن کے متعلق ایک اور شہادت ملی ہے کہ ولایت کے ایک بڑے آدمی نے لکھا ہے کہ ابن سعود نے ایک نادر موقع ہاتھ سے کھو دیا اس کے لئے موقع تھا کہ وہ یہ دکھاتا کہ اس کا تعلق اس جماعت سے ہے جو اسلام کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ میرے نزدیک اس کے بیٹے کو جو ولایت سے دنیوی فوائد پہنچے ہیں وہ آپ کی جماعت کے طفیل ہی پہنچے ہیں اگر آپ اسے نہ بُلاتے تو اس کو یہ فوائد کیسے پہنچتے۔

(الفضل ۲۱ جنوری ۱۹۲۷ء)

---

۱ تذکرہ صفحہ ۲۳۳، ۲۳۴۔ ایڈیشن چہارم (مفہوماً)

۲ (i) میاں عبدالرحمٰن صاحب تاریخ شہادت وسط ۱۹۰۱ء (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۲۷ طبع ثانی) (ii) حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب تاریخ شہادت ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء (تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۱۸۵ طبع ثانی) (iii) مولوی نعمت اللہ خان تاریخ شہادت ۳۱۔ اگست ۱۹۲۴ء (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۴۷ طبع اول) (iv) مولوی عبدالحلیم صاحب ساکن چراسہ تاریخ شہادت ۵ فروری ۱۹۲۵ء (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۷۵ طبع اوّل) (v) قاری نور احمد صاحب ساکن کابل تاریخ شہادت ۵ فروری ۱۹۲۵ء (تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۷۵ طبع اوّل)

۳ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف

۴ النور: ۲۰

۵ مسلم کتاب البر والصلۃ والادب باب النھی عن قول ھلک الناس

۶ الفاتحۃ: ۲

۷ بخاری کتاب المرضیٰ باب اشد الناس بلاء. الانبیاء. ثم الاول فالاول

۸ البقرۃ: ۱۸۷

۹ الوصیت صفحہ ۲۹، ۳۰ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۲۷، ۳۲۸ (مفہوماً)